بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللّٰہُ نَزَّلَ اَحسَنَ الحَدِیثِ

نضر اللہ امرأ سمع منا
حدیثًا فحفظہ حتی یبلغہ

رمضان ۱۴۲۸ھ اکتوبر 2007ء

ماہنامہ

الحدیث

حضرو

مدیر

حافظ زبیر علی زئی

مکتبۃ الحدیث
حضرو، اٹک: پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ نزل احسن الحدیث

ماہنامہ الحدیث حضرو

نضر اللہ امرأ سمع منا حدیثاً فحفظہ حتی یبلغہ

جلد: 4 | رمضان ۱۴۲۸ھ اکتوبر 2007ء | شمارہ: 10

مدیر

حافظ زبیر علی زئی

0300-5336233

معاونین

حافظ ندیم ظہیر 0301-6603296

محمد صفدر حضروی 0334-5806841

ابو خالد شاکر

اس شمارے میں

قیمت

فی شمارہ : 15 روپے

سالانہ : 150 روپے

علاوہ محصول ڈاک

پاکستان: مع محصول ڈاک

200 روپے

برائے رابطہ

مکتبۃ الحدیث

حضرو ضلع اٹک

ناشر حافظ شیر محمد

0300-5288783

مقامِ اشاعت

مکتبۃ الحدیث

حضرو ضلع اٹک

احسن الحدیث — حافظ ندیم ظہیر

درود وسلام

﴿ اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴾

بلاشبہ اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر رحمت ودرود بھیجتے ہیں۔ اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم بھی ان پر درود وسلام بھیجو۔ (الاحزاب:۵۶)

فقہ القرآن :

☆ لفظ ''صلوٰة'' کی نسبت جب اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو اس کا معنی، اللہ کا اپنے بندے پر اپنی رحمت نازل کرنا ہے اور اگر یہ نسبت فرشتوں کی طرف ہو تو دعائے رحمت اور اگر بندوں کی جانب ہو تو اس کا معنی دعائے رحمت بھی ہے اور درود وغیرہ بھی ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ مشہور تابعی امام ابو العالیہ سے نقل کرتے ہیں:

''صلاة الله ثناء ہ علیه عند الملائکة و صلاة الملائکة الدعاء''

صلاۃ اللہ سے مراد اللہ تعالیٰ کا فرشتوں میں نبی ﷺ کی تعریف کرنا ہے اور صلاۃ الملائکہ سے مراد دعا ہے۔ (صحیح بخاری قبل حدیث:۴۷۹۷)

☆ سلام سے مراد تشہد (التحیات للّٰه ..... إلخ) اور درود سے مراد درودِ ابراہیمی ہے۔ اس آیت سے خود ساختہ درود وسلام کشید کرنا دینِ اسلام میں اضافہ کرنے کے مترادف ہے جو کہ انتہائی مذموم حرکت ہے۔

☆ سیدنا کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا: اے اللہ کے رسول! ہم آپ پر درود کیسے پڑھیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: کہو

((اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى آلِ إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ، اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا

بَارَكْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيمَ وَعَلٰى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ)) (صحیح بخاری: ۳۳۷۰ مختصراً)

☆ جس طرح اس آیت میں نبی ﷺ پر درود پڑھنے کی پُر زور تاکید کی گئی ہے، اسی طرح احادیث میں بھی ترغیب وترہیب وارد ہے: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتا ہے۔ (صحیح مسلم:۴۰۸)

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ((رغم أنف رجل ذكرت عنده فلم يصلّ علي))
اس شخص کی ناک خاک آلود ہو جس کے پاس میرا ذکر کیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے۔

(سنن الترمذی: ۳۵۴۵ وسندہ حسن)

نیز آپ ﷺ نے فرمایا: ((البخيل الذي من ذكرت عنده فلم يصلّ علي))
وہ شخص بخیل ہے کہ جس کے پاس میرا ذکر کیا جائے اور وہ مجھ پر درود نہ بھیجے۔

(سنن الترمذی: ۳۵۴۶ وسندہ حسن)

☆ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے کلمات کہے اور لکھے جا سکتے ہیں کیونکہ یہ بھی ثابت ہیں۔ (دیکھئے صحیح مسلم ۳۹۲/۲ ح ۲۸۹۷) نیز محدثین کا ان پر اجماع ہے۔

تنبیہ: بعض حضرات نبی اکرم ﷺ کا نام لکھ کر صلعم یا ؐ وغیرہ کی علامت بنا دیتے ہیں۔ شرعاً یہ جائز نہیں بلکہ مذموم عمل ہے۔

☆ اس آیتِ مبارکہ میں رسول اللہ ﷺ کے شرف وعزت کا بیان ہے، جس سے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پیغمبر کو نوازا ہے۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: "والإجماع منعقد على أن في هذه الآية من تعظيم النبي ﷺ والتنويه به ماليس في غيرها ."

اس بات پر اجماع ہے کہ اس (مذکورہ) آیت میں (صرف) نبی ﷺ کی تعظیم وتعریف ہے۔ اس میں کوئی اور شامل نہیں ہے۔ (فتح الباری ۱۱/۱۵۶)

☆ درود کے موضوع پر امام اسماعیل بن اسحاق القاضی کی عظیم الشان کتاب شیخ البانی رحمہ اللہ کی تحقیق سے چھپ چکی ہے۔ نیز حافظ ابن القیم کی کتاب "جلاء الافہام" بھی مفید ہے۔

فقہ الحدیث

حافظ زبیر علی زئی

اہلِ بدعت سے دُور رہیں

الفصل الثالث

۱۱۶) وعن نافع أنّ رجلاً أتى ابن عمر فقال: إنّ فلانًا يقرأ عليك السلام. فقال: إنه بلغني أنه قد أحدث، فإن كان قد أحدث فلا تقرئه مني السلام، فإني سمعت رسول الله ﷺ يقول: ((يكون في أمتي - أو في هذه الأمة - خسف، أو مسخ، أو قذف في أهل القدر.)) رواه الترمذي و أبو داود وابن ماجه. وقال الترمذي: هذا حديث حسن صحيح غريب.

نافع رحمہ اللہ (مولیٰ ابن عمر رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے (سیدنا عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہ) کے پاس آ کر کہا: فلاں آدمی آپ کو سلام کہتا ہے۔ تو انھوں نے فرمایا: مجھے پتا چلا ہے کہ وہ بدعتی ہو گیا ہے، پس اگر (یہ صحیح ہے کہ) وہ بدعتی ہو گیا ہے تو اسے میرا سلام نہ کہنا کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: میری اُمت یا اس اُمت میں خسف (زمین کا دھنس جانا) یا مسخ (شکلوں کا مسخ ہو جانا) یا قذف (پتھروں کا برسنا) ہوگا اور یہ سب باتیں قدریہ کے بارے میں ہوں گی۔

اسے ترمذی (۲۱۵۲) ابوداود (۴۶۱۳) اور ابن ماجہ (۴۰۶۱) نے روایت کیا ہے اور ترمذی نے کہا: ''ھذا حدیث حسن صحیح غریب''

تحقیق: اس حدیث کی سند حسن ہے۔

اسے حاکم (۸۴/۱) اور ذہبی دونوں نے مسلم کی شرط پر صحیح قرار دیا ہے۔ اس روایت کے راوی ابوصخر حمید بن زیاد جمہور محدثین کے نزدیک موثق ہیں لہٰذا حسن الحدیث ہیں۔

فقہ الحدیث:

① بدعتِ کبریٰ والے بدعتی کے سلام کا جواب نہیں دینا چاہئے۔

② ضرورت یا شرعی عذر کی بنا پر اہلِ بدعت سے مکمل بائیکاٹ بھی کیا جا سکتا ہے۔

③ قدریہ ان لوگوں کو کہتے ہیں جو تقدیر کا انکار کرتے ہیں اور یہ بدعتِ کبریٰ ہے۔ یاد رہے کہ اسماء الرجال کی کتابوں میں بعض لوگوں کو قدریہ میں شمار کیا گیا ہے جیسے قتادہ وغیرہ، اس سے مراد تقدیر کا انکار کرنے والے نہیں بلکہ وہ لوگ ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ شر شیطان کی طرف سے ہے اور بہت سے لوگوں پر قدری ہونے کا الزام ہوتا ہے جیسے مکحول وغیرہ لیکن تحقیق کے میدان میں یہ الزام باطل ومردود ہوتا ہے۔

④ قیامت سے پہلے اُمتِ مسلمہ کے بعض مبتدعین کے چہرے مسخ کئے جائیں گے اور بعض کو زمین میں دھنسا دیا جائے گا اور بعض پر پتھروں کی بارش ہوگی۔

⑤ اہلِ ایمان کی یہ خوبی ہے کہ وہ دلائل بیان کر کے مسلسل کتاب وسنت کا پرچم سربلند رکھتے ہیں۔

۱۱۷) وعن علي رضي اللّٰه عنه قال: سألت خديجة النبي ﷺ عن ولدين ماتا لها فى الجاهلية . فقال رسول اللّٰه ﷺ: ((هما فى النار .)) قال: فلما رأى الكراهة في وجهها قال: ((لو رأيت مكانهما لأبغضتهما .)) قالت: يا رسول اللّٰه! فولدي منك ؟ قال: ((فى الجنة .)) ثم قال رسول اللّٰه ﷺ: ((إنّ المؤمنين و أولادهم فى الجنة و إنّ المشركين و أولادهم فى النار .)) ثم قرأ رسول اللّٰه ﷺ: ﴿ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَابِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ ﴾ رواه أحمد .

(سیدنا) علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (سیدہ) خدیجہ (رضی اللہ عنہا) نے نبی ﷺ سے اپنے دو بچوں کے بارے میں پوچھا جو کہ زمانۂ جاہلیت میں فوت ہو گئے تھے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ دونوں آگ میں ہیں۔ پھر جب آپ نے خدیجہ

(رضی اللہ عنہا) کے چہرے پر ناپسندیدگی کے اثرات دیکھے تو فرمایا: اگر تم ان کی جگہ دیکھتی تو ان سے نفرت کرتی۔ خدیجہ نے پوچھا: یا رسول اللہ! آپ سے میری (فوت شدہ) اولاد کا کیا ہوگا؟ آپ نے فرمایا: وہ جنت میں ہے۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مومنین اور ان کی اولاد جنت میں ہے۔ مشرکین اور ان کی اولاد جہنم میں ہے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (یہ آیت) تلاوت فرمائی: ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَابِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ﴾ اور جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد نے ایمان کے ساتھ ان کی اتباع کی، ہم نے ان کی اولاد کو ان سے ملا دیا۔ [الطّور:۲۱]

اسے (عبداللہ بن) احمد نے (زوائد المسند ۱۳۴/۱ ح ۱۱۳۵، ۱۱۳۱) میں روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس روایت کی سند ضعیف ہے۔ اس کا راوی محمد بن عثمان مجہول ہے۔ دیکھئے میزان الاعتدال (۶۴۲/۳) یاد رہے کہ مجہول کی روایت ضعیف ہوتی ہے جیسا کہ اصولِ حدیث میں مقرر ہے۔

۱۱۸) وعن أبي هريرة قال :قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم :((لما خلق الله آدم مسح ظهره فسقط عن ظهره كل نسمة هو خالقها من ذريته إلى يوم القيامة وجعل بين عيني كل إنسان منهم و بيصاً من نور ثم عرضهم على آدم فقال :أي رب !من هؤ لاء ؟ قال :ذريتك . فرأى رجلاً منهم فأعجبه و بيص ما بين عينيه قال :أي رب !من هذا؟ قال : داود . فقال :رب !كم جعلت عمره؟ قال ستين سنة. قال : رب زده من عمري أربعين سنة .)) قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم :((فلما انقضى عمر آدم إلا أربعين جاء ه ملك الموت فقال آدم :أولم يبق من عمري أربعون سنة ؟ قال :أولم تعطها ابنك داود ؟ فجحد آدم فجحدت ذريته و نسي آدم فأكل من الشجرة ، فنسيت ذريته و

خطأ و خطأت ذريته .)) رواه الترمذي .

(سیدنا) ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اللہ نے آدم (علیہ السلام) کو پیدا کیا تو اُن کی پیٹھ پر (ہاتھ) پھیرا، ہر روح جسے اللہ قیامت سے پہلے پیدا کرے گا۔ اُن کی پیٹھ سے گر گئی اور ہر انسان کی دونوں آنکھوں کے درمیان نور کی چمک رکھی گئی پھر اللہ نے انھیں آدم (علیہ السلام) کے سامنے پیش کیا تو انھوں نے کہا: اے میرے رب! یہ کون ہیں؟ اللہ نے فرمایا: تیری اولاد ہے۔ پھر انھوں نے ان میں ایک آدمی دیکھا جس کی آنکھوں کے درمیان نور کی چمک انھیں اچھی لگی۔ کہا: اے میرے رب! یہ کون ہے؟ فرمایا: داود (علیہ السلام) ہیں۔ کہا: اے میرے رب! تُو نے ان کی کتنی عمر مقرر کی ہے؟ فرمایا: ساٹھ سال، کہا: اے میرے رب! میری عمر میں سے چالیس سال انھیں دے دو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب آدم (علیہ السلام) کی عمر میں سے صرف چالیس سال رہ گئے تو ان کے پاس موت کا فرشتہ آیا۔ آدم (علیہ السلام) نے کہا: کیا میری عمر میں سے چالیس سال باقی نہیں ہیں؟ فرشتے نے کہا: کیا آپ نے وہ اپنے بیٹے داود (علیہ السلام) کو نہیں دے دیئے تھے؟ پس آدم نے انکار کیا تو ان کی اولاد نے بھی انکار کیا۔ آدم (علیہ السلام) نے بھول کر درخت میں سے کھا لیا تو ان کی اولاد بھی بھول گئی۔ آدم (علیہ السلام) کو لغزش ہوئی تو ان کی اولاد نے بھی غلطیاں کیں۔

اسے ترمذی (۳۰۷۶ وقال: ھذا حدیث حسن صحیح) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس روایت کی سند حسن ہے۔ اسے حاکم (۵۸۶/۲) نے بھی صحیح کہا ہے۔

فقہ الحدیث:

① اس روایت میں نور سے مراد ایمان کا نور اور فطرتِ سلیمہ ہے۔

② بھول جانا انسانی فطرت میں شامل ہے۔

③ یہ حدیث سورۃ الاعراف کی آیت: ۱۷۲ کی شرح میں ہے۔

حافظ زبیر علی زئی

توضیح الاحکام

مشترکہ فیکٹری اور اس کے حصہ داروں کا مسئلہ

سوال: سائل اور اس کے ساتھیوں کو چند کاروباری معاملات میں دینی رہنمائی کی ضرورت ہے چونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ [النساء:۵۹]

مسئلہ یہ ہے کہ ایک فیکٹری (کارخانہ) جس کے تقریباً سولہ سو (1600) حصہ دار ہیں، اس کا (MD) مسئول ایک اور نئی فیکٹری لگانا چاہتا ہے، جس سے موجودہ فیکٹری کو خام مال بھی ملے گا اور زائد پیداوار مارکیٹ میں فروخت ہوگی۔ وہ اس کے لئے دنیا کے کئی ممالک کا سفر کرتا ہے اور اس پر اپنے ذاتی پیسے خرچ کرتا ہے اور دوسرے حصہ داروں کو کہتا ہے کہ یہ فیکٹری مَیں اپنے پیسے، اپنے وسائل اور اپنے لئے لگاؤں گا۔ اس کے لئے وہ تقریباً دو سال صَرف کرتا ہے لیکن سوائے مختلف قسم کے معاہدے (agreements) کہ وہ فیکٹری نہیں لگا سکتا۔ چونکہ ہر فیکٹری کے لئے بنیادی طور پر سرمایہ کی ضرورت ہے۔ جس کو وہ اپنے وسائل سے حاصل نہیں کر سکتا اب مجبور ہو کر وہ اپنے حصہ داروں کو دعوت دیتا ہے کہ ان میں سے جو چاہے نئی فیکٹری میں شریک ہو سکتا ہے اور باہر کے لوگوں کو بھی دعوت دیتا ہے، وہ بھی اس کے شریک کار ہو سکتے ہیں لیکن شرط یہ ہے کہ وہ اس کے لئے مطلوبہ سرمایہ مہیا کرنے میں حصہ لیں اور موجودہ فیکٹری کی زمین اور نقد روپیہ جو نئی فیکٹری کا تقریباً 1/3 حصہ ہوگا لگائیں اور اپنے پاس سے بھی حتی المقدور سرمایہ کاری کریں لیکن میں یعنی (MD) مسئول اپنے لئے نئی فیکٹری کے کل سرمایہ کا 5% فیصد وصول کرونگا اور اس میں کوئی دوسرا حصہ دار نہیں ہوگا اور 5% بطور شیئرز سرٹیفکیٹ کے وصول کرونگا۔ چونکہ فیکٹری سٹاک ایکسچینج میں رجسٹرڈ ہوگی، اس لئے فیکٹری مکمل ہونے تک سٹاک ایکسچینج میں اس کی قیمت جو پڑے گی

اس کا فائدہ اٹھانے کا حق دار بھی میں ہونگا، کوئی دوسرا اس میں شریک نہیں ہوگا، اس پر اس کے سمجھدار حصہ داروں نے اعتراض کیا کہ تم جس فیکٹری کے 1/3 حصہ کو بنیاد بنا کر 2/3 حصہ سرمایہ لوگوں سے لینا چاہتے ہو تو تم اس کے تنخواہ دار ہو اور آج جو بڑی فیکٹریاں ہیں ان کے مطابق تنخواہ، گھر، گاڑیاں، ٹیلیفون، ملازم، ساری دنیا کا سفر، میڈیکل: بیماری کا علاج چاہے لاکھوں میں ہو، وصول کر رہے ہو اور تم نے یہ تمام معاہدے اس فیکٹری کے سربراہ کی حیثیت سے کیئے ہیں۔ اگر تم اس فیکٹری کی سربراہی سے علیحدہ ہو کر معاہدے کرتے تو تمھیں کمیشن لینے کا اختیار تھا لیکن موجودہ فیکٹری کے سربراہ ہوتے ہوئے جب تم بڑے معاہدے کرتے ہو تو تمھاری پوزیشن اس سربراہ حکومت کی ہو جاتی ہے جو حکومت کا سربراہ ہونے کے باوجود معاہدے کو اپنی ذاتی حیثیت میں شمار کرے اور اس کے لئے کمیشن مانگے لیکن (MD) مسئول کا استدلال یہ ہے کہ یہ نئی فیکٹری ہے اور اس کے لئے کچھ ابتدائی اخراجات میں نے اپنے پاس سے کیئے اور ساری منصوبہ بندی اپنی عقل سے کی ہے لیکن اختلاف کرنے والے کہتے ہیں کہ یہ نئی فیکٹری ایک بہت بڑی فیکٹری جس کی مشینری کی قیمت اربوں روپے میں اور یہاں پاکستان میں بھی مشینری کے علاوہ اربوں روپے درکار ہیں۔ ذاتی حیثیت سے مشینری فروخت کرنے والے تمھیں ملاقات کا ٹائم بھی نہ دیتے اور نہ معاہدہ کرتے کہ یہ اربوں روپے کی مشینری ادھار کئی سال کے لئے دی جائے گی اور پاکستان کے اندر جو سرمایہ کی ضرورت ہے وہ بھی اربوں روپے ہے، ذاتی حیثیت سے کوئی شخص تمھارے ساتھ سرمایہ کاری نہیں کرے گا۔ اگر تم آزمائش کرنا چاہتے ہو تو اس فیکٹری کی سربراہی سے استعفیٰ دیکر پھر لوگوں کو سرمایہ کاری کی دعوت دو کیا وہ تمھاری دعوت قبول کرتے ہیں؟ اور باہر کے جو معاہدے ادھار مشینری کے تم نے کیئے وہ بھی اپنی ذاتی حیثیت سے کرو، اگر تم کو کامیابی مل جاتی ہے تو 5% فیصد چھوڑ کر 10% کمیشن نئی فیکٹری سے لے لو لیکن موجودہ فیکٹری کے سربراہ ہوتے ہوئے جس کے تقریباً 1600 حصہ دار ہیں اور اسکی مالیت بھی کئی ارب روپیہ ہے تم اپنی ذات کے لئے کمیشن

نہیں لے سکتے اگر کمیشن وصول کرنا ہے تو وہ موجودہ فیکٹری کے منافع میں جمع کر کے 1600 حصہ داروں میں تقسیم کرو، چونکہ تم اس فیکٹری کے سربراہ ہی نہیں امین بھی ہو اور تمھارا اس فیکٹری میں تقریباً 15% حصہ ہے۔ جب یہ کمیشن منافع کی شکل میں ملے گا تو تمھیں تمھارا 15% یعنی کمیشن 1/6 حصہ خود بخود مل جائے گا اور دوسرے حصہ دار کچھ 15% اور کچھ زیادہ اور کچھ کم کے جو مالک ہیں، اسی نسبت سے ان کو بھی کمیشن منافع میں سے حصہ مل جائے گا اور تم جو ابتدائی اخراجات کر چکے ہو چاہے نئی فیکٹری میں، اس کو حصہ کے طور پر رکھ لو یا رقم واپس وصول کر لو لیکن وہ شخص اس سے شدید اختلاف کرتا ہے اور اپنی ضد پر اصرار کرتا ہے۔ ہم سب لوگ یہ چاہتے ہیں کہ شریعت سے رہنمائی حاصل کریں لیکن کہنے والے کہتے ہیں کہ آج کے علماء کاروباری معاملات نہیں سمجھتے اس لئے وہ ہماری مشکل حل نہیں کر سکتے۔

جناب حافظ صاحب (حافظ ثناء اللہ مدنی حفظہ اللہ) ابھی حال ہی میں آپ نے علماء کا ایک بورڈ تشکیل دیا ہے۔ جس میں چوٹی کے علماء حضرات ہیں، یہ مسئلہ ایک انتہائی اہم مسئلہ ہے اس کو حل کر کے کاروباری لوگوں کی شریعت کے اندر رہنمائی فرمایئے تا کہ نہ کوئی ظلم کرے اور نہ اس پر ظلم کیا جائے۔ (سائل: آپ کا ایک دینی بھائی)

الجواب: نفع اور نقصان کی بنیاد پر شراکت والا کاروبار مثلاً فیکٹری اور کارخانہ لگانا جائز ہے بشرطیکہ اس میں سُود، فراڈ اور دھوکے کا نام ونشان تک نہ ہو۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْخُلَطَآءِ لَيَبْغِيْ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَقَلِيْلٌ مَّا هُمْ ط﴾ اور بہت سے حصہ دار، شریک کار ایک دوسرے پر ظلم و زیادتی کرتے ہیں سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک اعمال کئے اور یہ بہت تھوڑے ہیں۔ (صٓ:۲۴)

اگر تمام حصہ دار مذکورہ ایم ڈی (MD) سے متفق ہیں تو اس کے لئے نفع ونقصان میں سے یا فیکٹری کے سرمائے سے کچھ حصہ مثلاً پانچ فی صد مختص کیا جا سکتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((المسلمون علٰی شروطھم)) مسلمان اپنی شرطوں پر ہیں۔
(سنن ابی داود: ۳۵۹۴ وسندہ حسن وصححہ ابن الجارود: ۶۳۷ وابن حبان: ۱۱۹۹، وعلقہ البخاری فی صحیحہ قبل ح ۲۲۷۴ نحو المعنیٰ)

اور اگر حصہ دار راضی نہ ہوں یا شک محسوس کریں تو ایم ڈی صاحب کو منع کر دیں اور کہہ دیں کہ ایم ڈی سمیت تمام حصہ دار نفع ونقصان میں برابر کے شریک ہوں گے یا وہ اس کاروبار کو ہی چھوڑ دیں۔

شریعت کے قواعد میں سے ایک قاعدہ یہ بھی ہے کہ جس چیز کے بارے میں دل میں کھٹک محسوس ہو اور آدمی مطمئن نہ ہو تو اس چیز کو چھوڑ دینا چاہئے۔ وما علینا إلا البلاغ

(۳/ اگست ۲۰۰۷ء)

مساجد اور صحیح سمتِ قبلہ

سوال: سائل کا تعلق ڈیرہ غازی خان شہر سے ہے۔ ہمارے شہر میں قبلے کا رخ مغرب میں تھوڑا ترچھا ہے اور شہر کے تمام مسالک: دیوبندی، بریلوی، اہلِ حدیث (اور) شیعہ حضرات کی مسجدیں اسی رخ میں بنی ہوئی ہیں اور بغیر کسی اختلاف کے لوگ اسی رخ میں مساجد بنا رہے ہیں۔ لیکن ہمارے شہر میں ایک مسجد والوں نے مسجد کا رخ مغرب میں سیدھا کر دیا ہے اور متولی مسجد کا کہنا ہے کہ اس طرح رخ کرنے سے قبلہ رخ میں کوئی فرق نہیں پڑتا اور آپ کی نمازوں کا میں ذمہ دار ہوں جب کہ متولی صاحب نہ تو عالم ہیں، نہ مفتی ہیں نہ ہی قاری ہیں۔ جب کہ قبلہ نما میٹر سے قبلہ کا رخ مغرب میں ترچھا ہی آتا ہے۔ آپ سے التماس ہے کہ آپ ہمیں قرآن وسنت کی روشنی میں بتائیں کہ کیا اُن کی یہ بات ٹھیک ہے؟ اور یہ کہ بقیہ اہلِ شہر جو مساجد کا رخ مغرب میں ترچھا کر کے بنا رہے ہیں جو کہ قبلہ نما میٹر کے عین مطابق ہے وہ سب غلط ہے؟ یا یہ لوگ کسی نئے فتنہ کا آغاز کر رہے ہیں؟

جب کہ مسافر ہونے کی صورت میں قبلہ کی صحیح سمت کا علم نہ ہونے کی وجہ سے جس طرف منہ کرے گا نماز ہو جائے گی۔ لیکن اگر علم ہو جائے کہ قبلہ کا رخ صحیح سمت میں نہیں بلکہ سیدھا ہے تو اس صورت میں بھی نماز ہو جائے گی؟

اس سوال کے جواب کے سلسلے میں براہِ مہربانی فتویٰ ارسال فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

فتویٰ قرآن وحدیث کی روشنی میں ہو۔ضروری ہے کہ فتویٰ ہمیں ارسال کریں کیونکہ ہمیں کسی بھی ساتھی کو سمجھانا ہو یا دکھانا ہو تو علمائے کرام کا فتویٰ دکھایا جاسکے اور اصلاح ہو سکے۔

(عبدالوہاب ،ڈیرہ غازی خان)

الجواب:الحمد للّٰہ رب العالمین و الصلوٰۃ و السلام علٰی رسولہ الأمین ، أما بعد :

ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ ﴿فَوَلِّ وَجۡهَكَ شَطۡرَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ ؕ وَحَيۡثُ مَا كُنۡتُمۡ فَوَلُّوۡا وُجُوۡهَكُمۡ شَطۡرَهٗ﴾ پس آپ (نماز میں) اپنا چہرہ مسجدِ حرام (بیت اللہ) کی طرف پھیر دیں اور تم جہاں کہیں بھی ہو (نماز میں) اپنے چہرے اسی طرف پھیرو۔(سورۃ البقرہ:۱۴۴)

نبی کریم ﷺ نے **مسيئ الصلوٰۃ** کو حکم دیا:((**إذا قمت إلی الصلوٰۃ فأسبغ الوضوء ثم استقبل القبلة فكبر .**)) جب تم نماز کے لئے کھڑے ہو تو پورا وضو کرو پھر قبلہ رُخ ہو کر تکبیر (اللہ اکبر) کہو۔

(صحیح بخاری، کتاب الاستئذان باب من رد فقال: علیک السلام ح ۶۲۵۱ ،صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ باب وجوب قراءۃ الفاتحۃ فی کل رکعۃ ح ۴۶/ ۳۹۷ وترقیم دارالسلام: ۸۸۶)

ان دلائل اور دیگر دلائل سے ثابت ہے کہ نمازی کو حالتِ نماز میں بیت اللہ کی طرف رُخ کرنا چاہئے اور اسی پر اُمت کا اجماع ہے۔

جب مسلمانوں کو نماز میں قبلہ رُخ کرنے کا حکم دیا گیا تو سب کعبہ کی طرف پھر گئے۔

دیکھئے صحیح بخاری (ح ۴۰۳) و صحیح مسلم (ح ۵۲۶ وترقیم دارالسلام: ۱۱۷۸)

رسول اللہ ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے مکے کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھی۔ (دیکھئے صحیح بخاری: ۴۰)

معلوم ہوا کہ مکہ سے باہر اور دُور والوں کے لئے یہ حکم ہے کہ مکہ کی طرف رُخ کر کے فرض نمازیں پڑھیں۔نوافل کیلئے سواری کی حالت میں دوسرا حکم ہے جس کا ہمارے موضوع سے فی الحال کوئی تعلق نہیں ہے۔

مسئلہ نمبر ۱: بیت اللہ کے پاس بیت اللہ کی طرف رُخ کر کے اور مکہ سے باہر مکہ کی طرف

رُخ کر کے نماز پڑھنا فرض ہے۔

مسئلہ نمبر۲: جان بوجھ کر، علم ہو جانے کے باوجود بیت اللہ سے ہٹ کر کسی دوسری طرف رُخ کر کے نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔

مسئلہ نمبر۳: اپنی پوری کوشش کے باوجود اگر سمتِ قبلہ میں کوئی غلطی ہو جائے تو معاف ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ((**مابین المشرق والمغرب قبلة .**))

مشرق اور مغرب کے درمیان جو ہے وہ (مدینہ والوں کے لئے) قبلہ ہے۔

(سنن الترمذی:۳۴۴ وقال: ''ھٰذا حدیث حسن صحیح'' وسندہ حسن)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: '' **ما بین المشرق والمغرب قبلة .** '' مشرق اور مغرب کے درمیان (مدینے والوں کا) قبلہ ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۳۶۲ ح ۷۴۳۰ وسندہ صحیح)

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: '' **ما بین المشرق والمغرب قبلة** ''

(ابن ابی شیبہ ۲/۳۶۲ ح ۷۴۳۲ وسندہ صحیح)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: '' **ما بین المشرق والمغرب قبلة إذا توجهت قبل البيت .** ''

جب تم بیت اللہ کی طرف رُخ کر لو تو مشرق اور مغرب کے درمیان قبلہ ہے۔

(السنن الکبریٰ للبیہقی ۲/۹ وسندہ حسن، نافع بن ابی نعیم حسن الحدیث وثقہ الجمہور وأخطأ ابن الترکمانی فتکلم فیہ بجروح مرجوحۃ)

خلاصۃ التحقیق: نمازوں میں حتی الوسع کعبہ (بیت اللہ) مکہ کی طرف ہی رُخ کرنا چاہئے۔ جان بوجھ کر مکہ (بیت اللہ) کے علاوہ کسی دوسری طرف رُخ کر کے فرض نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔اگر سمتِ قبلہ میں اجتہادی غلطی ہو جائے تو معاف ہے۔

سائل کے سوال کا مختصر جواب: بشرطِ صحتِ سوال عرض ہے کہ جن لوگوں نے بغیر کسی واضح دلیل کے مسجد کا رخ قبلے کی طرف سے ہٹا کر مغرب کی طرف سیدھا کر دیا ہے، اُن کا یہ عمل غلط ہے اور اس سے بڑا فرق پڑتا ہے کیونکہ عین ممکن ہے کہ اس طرح کی حرکت سے لوگ بجائے مکہ کے قبلۂ اول کی طرف نماز پڑھ رہے ہوں۔کوئی شخص کسی کی نمازوں کا کبھی ذمہ دار نہیں ہوتا لہٰذا متولی کا قول باطل ہے۔ **وما علينا إلا البلاغ** (۳/ اگست ۲۰۰۷ء)

اللہ کی نعمت کے آثار بندے پر

سوال: کیا یہ حدیث صحیح ہے: ''بلاشبہ اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے کہ اپنی نعمت کے آثار اپنے بندے پر دیکھے'' (عاطف منظور، فتح ٹاؤن اوکاڑا)

الجواب: سیدنا مالک بن نضلہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور میری (ظاہری) حالت خراب تھی تو آپ نے فرمایا: کیا تمھارے پاس مال ہے؟ میں نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: کس قسم کا مال ہے؟ میں نے کہا: ہر قسم کا مال ہے، اونٹ، غلام، گھوڑے اور بھیڑ بکریاں سب کچھ ہے تو آپ نے فرمایا: ((**إذا آتاك الله مالاً فلير عليك .**)) جب اللہ نے تجھے مال دیا ہے تو اس کا اثر تجھ پر نظر آنا چاہئے۔

(مسند احمد ۳/۴۷۳ ح ۱۵۸۸۸، وسندہ صحیح وصححہ ابن حبان ۵۳۹۲/ ۵۴۱۶ والحاکم ۴/۱۸۱ ح ۷۳۶۴ ووافقہ الذہبی)

یہ روایت بلحاظِ سند و متن بالکل صحیح ہے۔ اسے ابو داود (ح ۴۰۶۳) اور نسائی (۸/۱۸۱ ح ۵۲۲۵، ۵۲۲۶) نے بھی ''**أبو إسحاق السبيعي عن أبي الأحوص بن مالك بن نضلة عن أبيه**'' کی سند سے بیان کیا ہے۔ ابو اسحاق کی یہ روایت اختلاط سے پہلے کی ہے اور انھوں نے سماع کی تصریح کر دی ہے۔ والحمدللہ

سنن ابی داود کے الفاظ درج ذیل ہیں:

((**فإذا آتاك الله مالاً فلير أثر نعمة الله عليك و كرامته .**)) پس جب اللہ نے تجھے مال دیا ہے تو اللہ کی نعمت اور سخاوت کا اثر تجھ پر نظر آنا چاہئے۔ (طبع دار السلام ح ۴۰۶۳)

سنن نسائی کی روایت اسی مفہوم کی ہے، امام ترمذی نے یہ روایت مختصراً بیان کرنے کے بعد فرمایا: ''**هٰذا حديث حسن صحيح**'' (البر والصلۃ باب ماجاء فی الاحسان والعفو ح ۲۰۰۶)

سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے ایک روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((**مَن أنعم الله عليه نعمةً فإن الله يحبّ أن يُرى أثر نعمته على خلقه .**))

جسے اللہ اپنی نعمت عطا فرمائے تو اللہ پسند کرتا ہے کہ اس کی مخلوق پر اُس کی نعمت کا اثر نظر آئے۔ (مسند احمد ۴/۴۳۸ ح ۱۹۹۳۴، وسندہ صحیح) خلاصہ یہ کہ یہ حدیث بالکل صحیح ہے۔

ڈاکٹر ابو جابر عبداللہ دامانوی

عقیدۂ عذابِ قبر پر اعتراضات کا علمی و تحقیقی جائزہ

عقیدۂ عذابِ قبر کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس اُمتِ مسلمہ کا زبردست امتحان لیا ہے۔ کچھ لوگوں نے عذاب قبر کے عقیدہ کو عقل کی بنیاد پر پرکھا اور اپنے خود ساختہ عقائد و نظریات کے تناظر میں اسے دیکھنے کی کوشش کی جبکہ اہلِ ایمان عذابِ قبر کے عقیدے کو مِن وعَن اسی طرح مانتے ہیں جیسا کہ قرآن و حدیث میں بیان کیا گیا ہے۔ دور ماضی کی طرح موجودہ دور میں بھی یہی روش برقرار ہے۔ منکرینِ حدیث کے ساتھ ساتھ عثمانی فرقہ بھی اسی راہ پر گامزن ہے۔ عثمانی فرقے کے رسالے ''حبل اللہ'' میں کسی ''محمد سہیل'' نامی شخص کا ایک مضمون دو قسطوں میں چھپا ہے جس میں اگرچہ کوئی نئی بات نہیں ہے بلکہ ڈاکٹر عثمانی کے عقائد و نظریات کو گھما پھرا کر ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور کچھ عنوانات برزخ، روح، اعادۂ روح وغیرہ پر خامہ فرسائی کی گئی ہے اور اپنے اسلاف اور ''سلف طالحین'' معتزلہ کا بھرپور دفاع کیا ہے۔ چنانچہ موصوف کے ان خیالات کا قرآن و حدیث کی روشنی میں جائزہ پیشِ خدمت ہے:

عذابِ قبر کیا ہے؟ عربی زبان کی معمولی استعداد رکھنے والا شخص بھی اس حقیقت سے واقف ہے کہ عذاب القبر مرکب اضافی ہے جس کا ترجمہ ہے ''قبر کا عذاب'' یعنی وہ عذاب جو قبر میں ہوتا ہے اور امتِ مسلمہ کا اس بات پر اجماع ہے کہ قبر وہ مقام ہے جس میں میت کو دفن کیا جاتا ہے۔ اب اتنی عام فہم بات کو مشکوک بنانے کے لئے عجیب وغریب فلسفے بیان کئے جاتے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ اصلی قبر جو برزخ میں ہے وہ آسمانوں میں ہے گویا زمین پر جو قبر ہے، جسے قرآن مجید نے قبر کہا، حدیث نے بھی قبر کہا، پوری امتِ مسلمہ نے بھی قبر کہا، لیکن ڈاکٹر عثمانی نے اسے نقلی قبر کہا اور برزخ میں قائم کردہ فرضی قبر کو اصلی قبر قرار دیا ہے۔

دراصل روح کے راحت و آرام اور عذاب کی احادیث کو عذابِ قبر قرار دینے کے لئے یہ ساری تگ و دو کی گئی۔ کیونکہ ڈاکٹر موصوف صرف روح کے عذاب کے قائل ہیں اور اسی کی اتباع کرتے ہوئے مقلدین عثمانی بھی اسی عقیدے کو عام کر رہے ہیں۔ فرقہ پرستوں میں تقلید کی اس سے زیادہ خوفناک مثال نہیں ملتی۔ ان مقلدین سے پوچھا جائے کہ برزخ میں قبر قائم کرنے کا کیا مقصد ہے؟ زمین میں جو قبر ہے اس میں تو میت کو دفن کیا جاتا ہے اور برزخ والی قبر میں کس کو دفن کیا جاتا ہے؟ کیا روح کو دفن کیا جاتا ہے؟ یہ بڑی عجیب و غریب منطق ہے جو سمجھ سے بالاتر ہے لیکن ڈاکٹر موصوف نے اس کا حل بھی پیش کر دیا ہے۔

برزخی جسم کا تصور: ڈاکٹر موصوف کا کہنا ہے کہ مرنے کے بعد اس روح کو ایک نیا برزخی جسم دیا جاتا ہے اور یہی جسم راحت و عذاب کے تمام مراحل سے گزرتا ہے اور یہ ایسا جسم ہے جو ریزہ ریزہ ہو جائے تو اسے دوبارہ درست کیا جاتا ہے۔ اس نظریہ کو ثابت کرنے کے لئے ڈاکٹر موصوف نے کچھ احادیث بھی ذکر کی ہیں جن میں اگرچہ یہ وضاحت موجود نہیں ہے البتہ موصوف نے ان احادیث سے اس عقیدہ کو کشید کرنے کی مکمل کوشش کی ہے جس کی تفصیل ہماری کتاب ''عذاب قبر'' کی حقیقت میں ہے۔

قادیانی نظریہ: دراصل ڈاکٹر موصوف نے یہ نظریہ مرزا غلام احمد قادیانی کذاب سے اسمگل کیا ہے۔ مرزا غلام قادیانی نے اس نظریہ کو دوٹوک الفاظ میں پیش کیا ہے۔

چنانچہ وہ لکھتا ہے: ''سو اِن تمام دلائل سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ روح کے افعالِ کاملہ صادر ہونے کے لئے اسلامی اصول کے رُو سے جسم کی رفاقت رُوح کے ساتھ دائمی ہے۔ گو موت کے بعد یہ فانی جسم روح سے الگ ہو جاتا ہے مگر عالم برزخ میں مستعار طور پر ہر ایک رُوح کو کسی قدر اپنے اعمال کا مزہ چکھنے کے لئے جسم ملتا ہے۔ وہ جسم اس جسم کی قسم میں سے نہیں ہوتا بلکہ ایک نُور سے یا ایک تاریکی سے جیسا کہ اعمال کی صورت ہو جسم تیار ہوتا ہے۔ گویا کہ اس عالم میں انسان کی عملی حالتیں جسم کا کام دیتی ہیں۔ ایسا ہی خدا کے کلام میں بار بار ذکر آیا ہے۔ اور بعض جسم نُورانی اور بعض ظُلمانی قرار دیئے ہیں جو اعمال کی روشنی یا اعمال کی ظُلمت

سے تیار ہوتے ہیں۔ اگر چہ یہ راز ایک نہایت دقیق راز ہے مگر غیر معقول نہیں۔ انسانِ کامل اسی زندگی میں ایک نورانی وجود اس کیفیتِ جسم کے علاوہ پا سکتا ہے۔ اور عالمِ مکاشفات میں اس کی بہت مثالیں ہیں۔ اگر چہ ایسے شخص کو سمجھانا مشکل ہوتا ہے جو صرف ایک موٹی عقل کی حد تک ٹھہرا ہوا ہے۔ لیکن جن کو عالمِ مکاشفات میں سے کچھ حصہ ہے وہ اس قسم کے جسم کو جو اعمال سے تیار ہوتا ہے۔ تعجب اور استبعاد کی نگاہ سے نہیں دیکھیں گے بلکہ اس مضمون سے لذّت اٹھائیں گے۔

غرض یہ جسم جو اعمال کی کیفیت سے مِلتا ہے۔ یہی عالمِ برزخ میں نیک و بد کی جزاء کا مُوجب ہو جاتا ہے۔ میں اس میں صاحبِ تجربہ ہوں مجھے کشفی طور پر عین بیداری میں بارہا بعض مُردوں کی ملاقات کا اتفاق ہوا ہے۔ اور میں نے بعض فاسقوں اور گمراہی اختیار کرنے والوں کا جسم ایسا سیاہ دیکھا ہے کہ گویا وہ دُھوئیں سے بنایا گیا ہے۔ غرض مَیں اس کُوچہ سے ذاتی واقفیت رکھتا ہوں اور میں زور سے کہتا ہوں کہ جیسا کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے ایسا ہی ضرور مرنے کے بعد ہر ایک کو ایک جسم مِلتا ہے خواہ نُورانی خواہ ظُلمانی۔ انسان کی یہ غلطی ہوگی۔ اگر وہ ان نہایت باریک معارف کو صرف عقل کے ذریعہ سے ثابت کرنا چاہے۔ بلکہ جاننا چاہئے۔ کہ جیسا کہ آنکھ شیریں چیز کا مزہ نہیں بتلاسکتی۔ اور نہ زبان کسی چیز کو دیکھ سکتی ہے۔ ایسا ہی وہ علومِ معاد جو پاک مکاشفات سے حاصل ہو سکتے ہیں۔ صرف عقل کے ذریعہ سے ان کا عُقدہ حل نہیں ہوسکتا۔ خدائے تعالیٰ نے اس دنیا میں مجہولات کے جاننے کے لئے علٰیحدہ علٰیحدہ وسائل رکھے ہیں پس ہر ایک چیز کو اس کے وسیلہ کے ذریعہ سے ڈھونڈو تب اسے پالو گے۔"

(اسلامی اصول کی فلاسفی از مرزا غلام احمد قادیانی کذاب ص ۱۳۵، ۱۳۶، روحانی خزائن ج ۱۰ ص ۴۰۴۔۴۰۶)

معلوم ہوا کہ موصوف سے پہلے نئے جسم کا تصور مرزا قادیانی نے پیش کیا اور وہاں سے اسمگل کر کے موصوف نے اس جدید تحقیق کو لوگوں کے سامنے پیش کر دیا۔

تین زندگیاں: موصوف کی اس جدید تحقیق سے دو زندگیوں کا قرآنی تصور بھی غلط

ثابت ہوجاتا ہے یابالفاظ دیگر موصوف قرآن کے منکراور کافر قرار پاتے ہیں کیونکہ دوموتوں اور دوزندگیوں کے منکرین کوڈاکٹر موصوف نے بھی کافرقرار دیا ہے۔دراصل دوسروں پر کفر کے فتوے داغتے داغتے موصوف اپنے آپ کو بھی کافرقرار دے بیٹھے ہیں۔

ع لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا

یہ عجیب منطق ہے کہ اگر کوئی شخص ارضی قبر میں راحت وعذاب کا قائل ہے تو وہ موصوف کے نزدیک کافر ہے۔لیکن اگر کوئی شخص موصوف کی قائم کردہ برزخی قبر میں تیسری زندگی کا قائل ہوتو وہ پکا مومن اور پکا موحد بھی ہے۔**سبحانك هذا بهتان عظيم**

ہر چیز برزخی: قرآن مجید میں ارشاد ہوا کہ ''ان مرنے والوں کے پیچھے قیامت تک ایک برزخ حائل ہے۔(المومنوں:۱۵۵) یعنی ان کے درمیان ایک آڑ یا پردہ قائم ہے۔

اس وجہ سے اس درمیانی عرصے کو برزخی زندگی سے تعبیر کیا گیا ہے۔جبکہ قرآن و حدیث میں اس عرصے کو آخرت کہا گیا ہے لیکن ڈاکٹر موصوف نے برزخی زندگی کے علاوہ ہر چیز کو برزخی قرار دیا ہے۔جیسے برزخی قبر، برزخی جسم وغیرہ،اس طرح کی بیماری مسعود احمد بی ایس سی کو بھی لاحق ہوگئی تھی۔**تشابهت قلوبهم**۔اس نے ہر چیز کے ساتھ مسلمین کے اضافے کو لازم قرار دیا جیسے مسجد المسلمین ،توحید المسلمین ،صلوٰۃ المسلمین وغیرہ آئندہ شاید وضوء المسلمین ،مسواک المسلمین شارع المسلمین وغیرہ نام بھی عام اورشائع ہوجائیں گے۔یہی وجہ ہے کہ اب عثمانی فرقہ برزخی عثمانی کے نام سے مشہور ہوگیا ہے۔

عذاب قبر کی وضاحت احادیث سے: رسول اکرم ﷺ چار چیزوں سے ہمیشہ پناہ مانگا کرتے تھے اور امت کو بھی ان چار چیزوں سے پناہ مانگنے کا حکم دیا۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی آخری تشہد سے فارغ ہوتو ان چار چیزوں سے اللہ کی پناہ طلب کرے یعنی عذاب جہنم سے ،عذاب القبر سے اور زندگی وموت کے فتنے سے اور مسیح دجال کے شر سے۔(مسلم:۱۳۲۶)

دوسری حدیث میں ہے:''اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوْذُبِكَ مِنْ عَذَابِ جَهَنَّمَ وَمِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ

وَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ وَ مِنْ شَرِّ فِتْنَةِ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ '' (صحیح مسلم:۱۳۲۴)

اس حدیث سے واضح ہوا کہ عذاب قبر اور عذاب جہنم دو الگ الگ حقیقتیں ہیں۔
موت کے وقت روح کو جسم سے نکال لیا جاتا ہے اور روح قبر کے سوال و جواب کے بعد جنت یا جہنم میں داخل کر دی جاتی ہے۔ روح کو جہنم میں جو عذاب دیا جاتا ہے، اسے عذابِ جہنم کہا جاتا ہے۔ موصوف نے جنت اور جہنم کے عذاب کی احادیث کو نقل کر کے اسے ہی عذاب قبر قرار دیا ہے۔ جبکہ جسم جو قبر میں دفن کیا جاتا ہے اور قبر کے سوال و جواب کے بعد اسے راحت و آرام سے نوازا جاتا ہے یا پھر عذاب دیا جاتا ہے اور یہ عذاب ہی عذابِ قبر ہے، اس سلسلے میں احادیث بالکل واضح ہیں۔ ڈاکٹر موصوف اور اس کے حواری آخرت کے معاملے کو دنیا پر قیاس کر کے قبر کے عذاب کے منکر ہو گئے۔ یہ آخرت کے معاملات ہیں جنھیں عقل کی کسوٹی پر نہیں پرکھا جا سکتا بلکہ ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ اور رسول کی باتوں پر صحابہ کی طرح سمعنا و أطعنا کہا جائے تب ایمان محفوظ رہ سکتا ہے، عذابِ قبر کی وضاحت کے لئے یہاں چند احادیث درج کی جاتی ہیں جن پر غور و فکر کی ضرورت ہے:

پہلی حدیث: سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إن الميت ليعذب في قبره ببكاء أهله ، عليه))

بے شک میت کو اس کی قبر میں عذاب دیا جاتا ہے اس کے گھر والوں کے اس پر رونے کے سبب سے۔ (صحیح بخاری:۱۲۸۸، ۳۹۷۸، صحیح مسلم: ۹۲۷، دارالسلام: ۲۱۴۲)

اس حدیث سے واضح ہوا کہ میت کو عذاب ہوتا ہے اور یہ عذاب قبر میں ہی ہوتا ہے کیونکہ میت قبر میں دفن ہوتی ہے۔ یہ حدیث ڈاکٹر موصوف کے مطالعہ میں نہ تھی اور اگر تھی تو اس نے تجاہل عارفانہ سے کام لیا اور اس حدیث کو ظاہر نہیں کیا۔ اب جبکہ یہ واضح حدیث سامنے آ گئی ہے تو تمام برزخی عثمانیوں کو اس پر یقین (ایمان) رکھنا چاہئے اور اپنے تمام باطل نظریات سے فوری طور پر توبہ کر لینی چاہئے اور اگر کوئی مرزائی و عثمانی ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے واضح اور صحیح حدیث کا انکاری ہے تو قرآن و حدیث کے منکرین کو جہنم کا عذاب

چکھنا پڑے گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ﴾ اور رسول (ﷺ) تمھیں جو کچھ دیں اسے لے لو اور جس بات سے تمھیں منع کر دیں اس سے رک جاؤ اور اللہ سے ڈرو۔ بے شک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔ (الحشر:۷)

دوسری حدیث: سیدنا براء بن عازب سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے آیت ﴿يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ﴾ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو ثابت قدم رکھتا ہے قول ثابت کے ذریعے سے دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں بھی۔ (ابراہیم:۲۷) کے متعلق فرمایا کہ یہ آیت عذاب القبر کے بارے میں نازل ہوئی۔ (قبر میں میت سے) کہا جاتا ہے کہ تیرا رب کون ہے؟ پس وہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے اور میرے نبی محمد ﷺ ہیں۔ پس یہی مطلب ہے اللہ تعالیٰ کے اس قول کا کہ ''اللہ ثابت قدم رکھتا ہے ایمان والوں کو سچی بات کے ذریعے سے دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں بھی۔'' (صحیح مسلم:۲۸۷۱، دارالسلام:۷۲۱۹، نیز ملاحظہ فرمائیں صحیح بخاری:۱۳۶۹)

اس حدیث سے واضح ہوا کہ عذاب القبر کا ذکر قرآن کریم میں بھی موجود ہے اور سورۂ ابراہیم کی آیت نمبر ۲۷ عذاب القبر ہی کے بارے میں نازل ہوئی اور قبر میں میت کو اٹھا کر بٹھایا جاتا ہے (جیسا کہ صحیح بخاری کی اسی حدیث میں یہ بات موجود ہے) اور اس سے سوالات پوچھے جاتے ہیں۔ قبر کا سوال و جواب حق ہے اور اہل اسلام میں سے کسی نے بھی اس کا انکار نہیں کیا۔ سوال و جواب کے وقت روح کو بھی قبر کی طرف لوٹایا جاتا ہے اور قبر کے مسئلے کا تعلق آخرت کے ساتھ ہے، اس لئے اسے دنیا کی زندگی پر قیاس کرنا گمراہی اور جہالت ہے کیونکہ میت کی دنیاوی زندگی ختم ہو چکی ہے اور اب وہ آخرت کے مراحل سے گزر رہی ہے، اس عنوان پر مزید تفصیل بیان کی جائے گی۔ (ان شاء اللہ)

منکرینِ عذاب القبر احادیث کے انکار میں اس قدر آگے نکل جاتے ہیں کہ وہ

حدیث پر تنقید کرتے ہوئے نبی ﷺ کی توہین کا بھی ارتکاب کر جاتے ہیں اور یہ تک نہیں سمجھتے کہ ان کے قلم نے کیا لکھ مارا ہے۔ اس کی ہم بہت سی مثالیں بیان کر سکتے ہیں لیکن یہ مختصر مضمون اس کا متحمل نہیں ہے لہٰذا یہاں ایک ہی مثال پر اکتفا کیا جاتا ہے:

ڈاکٹر عثمانی صاحب کا ایک انتہائی اندھا مقلد اس حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''اسی طرح یہ فرقہ پرست اور قبر پرست قرآن کی مندرجہ ذیل آیت سے ارضی قبر کی زندگی ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں...... اللہ تعالیٰ ایمانداروں کو دنیا میں بھی ثابت قدم رکھے گا اور آخرت میں بھی۔ یعنی اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں ایمانداروں کی مدد کرے گا۔ چونکہ اس آیت کا ذکر بخاری کی حدیث میں عذاب القبر کے ساتھ کیا گیا ہے اس لئے بعض جاہل اور گمراہ بڑے خوش ہوتے ہیں کہ ہمارے عقیدے (مردہ قبر میں زندہ ہو جاتا ہے) کا ثبوت قرآن کی یہ آیت ہے۔'' (دعوت قرآن اور یہ فرقہ پرستی ص ٦٧)

یہ ہے ابو انور جدون کی ''دعوت قرآن'' اور ان کا ''ایمان خالص''

اس آیت کے متعلق خود نبی ﷺ نے بیان فرمایا ہے کہ اس کا تعلق عذاب القبر کے ساتھ ہے لیکن موصوف نے فتویٰ لگایا ہے ''فرقہ پرست'' ''قبر پرست'' ''جاہل'' ''گمراہ'' ظاہر ہے کہ نبی ﷺ کی اس قدر توہین کرنے والا کبھی مومن نہیں ہو سکتا اور ایسے شخص کی موت کفر کے علاوہ کسی اور چیز پر نہیں ہو سکتی۔ شیطان رشدی جیسے لوگوں کا انجام اس کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے؟ **وذلك جزاء الظلمين** [تفصیل کے لئے ہماری کتاب ''دعوت قرآن کے نام سے قرآن وحدیث سے انحراف'' ملاحظہ فرمائیں۔]

تیسری حدیث: سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

بے شک جب بندہ قبر میں رکھا جاتا ہے اور اس کے ساتھی اس سے پیٹھ موڑ کر لوٹتے ہیں اور وہ ابھی ان کی جوتیوں کی آواز سن رہا ہوتا ہے کہ اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور اس کو اٹھا کر بٹھاتے ہیں اور اس سے کہتے ہیں کہ تو اس (شخص یعنی محمد ﷺ) کے متعلق کیا کہتا ہے؟ پس مومن کہتا ہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

اس سے کہا جاتا ہے کہ تو اپنا ٹھکانا جہنم میں دیکھ کہ جسے اللہ تعالیٰ نے جنت کے ٹھکانے سے بدل دیا ہے۔ نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: پھر وہ اپنے دونوں ٹھکانے دیکھتا ہے۔ قتادہ رحمہ اللہ نے کہا: ہم سے ذکر کیا گیا ہے کہ پھر اس کی قبر ستر ہاتھ چوڑی کر دی جاتی ہے اور اسے قیامت تک سرسبز و شادابی سے بھر دیا جاتا ہے۔ پھر قتادہ رحمہ اللہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی حدیث کی طرف پلٹے یعنی سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی بقیہ حدیث بیان کی۔ (رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے) فرمایا: اور منافق یا کافر سے کہا جاتا ہے کہ تو اس شخص (محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم) کے متعلق کیا کہتا ہے؟ پس وہ کہتا ہے کہ میں نہیں جانتا، میں وہی کہتا ہوں جو لوگ کہتے تھے۔ پھر اس سے کہا جاتا ہے کہ نہ تو نے عقل سے پہچانا اور نہ قرآن پڑھا (اور نہ اس سے رہنمائی حاصل کی) یہ کہہ کر اسے لوہے کے گرزوں سے مارا جاتا ہے اور اس کے چیخنے چلانے کی آواز جنوں اور انسانوں کے سوا قریب کے (تمام جانور) سنتے ہیں۔'' (صحیح بخاری: ۱۳۷۴، صحیح مسلم: ۲۸۷۰، دارالسلام: ۷۲۱۶)

اس حدیث سے بھی ثابت ہوا کہ میت کو جب قبر میں رکھا جاتا ہے تو اسے قبر میں اٹھا کر بٹھایا جاتا ہے اور اس سے سوال و جواب ہوتا ہے۔ مومن کو قبر میں راحت و آرام ملتا ہے جبکہ منافق و کافر کو قبر میں عذاب دیا جاتا ہے۔ اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ میت دفن کر کے واپس جانے والے ساتھیوں کی جوتیوں کی آواز سنتی ہے اور یہ ایک استثنائی حالت ہے اور اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ میت یہ جان لے کہ جس اہل و عیال کے لئے اس نے آخرت کو فراموش کر رکھا تھا آج وہ اسے تنہا چھوڑ کر جا رہے ہیں اور قبر میں ایمان اور نیک اعمال کے سوا کوئی چیز اسے نجات نہیں دلا سکتی۔ بعض حضرات نے حدیث کے اس حصہ کو خلاف قرآن قرار دیا ہے حالانکہ یہ حدیث خلاف قرآن نہیں بلکہ ایک استثنائی صورت ہے۔ جیسا کہ ہم نے اپنی کتاب میں ''مردار'' کی مثال بیان کی تھی۔ عثمانی فرقہ کے بانی ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی صاحب نے اس حدیث کو صحیح مانا ہے لیکن اس کی تاویل کی ہے۔ ان کا پہلے یہ کہنا تھا کہ اس حدیث میں حقیقت نہیں بلکہ مجاز بیان کیا گیا ہے۔ مطلب یہ کہ جوتیوں کی آواز سنی جا سکتی ہے کہ میت کے پاس فرشتے آجاتے ہیں۔ اس کے بعد اس نے اس حدیث کی دوسری

تاویل یہ پیش کی کہ میت فرشتوں کی جوتیوں کی چاپ سنتی ہے اور اس بات کو ثابت کرنے کے لئے اس نے جمع اور تثنیہ کی بحث بھی کی ہے۔لیکن (اول) تو اس حدیث کا سیاق وسباق ہی ان کا ساتھ نہیں دیتا۔ نیز ڈاکٹر موصوف نے اس حدیث کی غلط تأویلات اس لئے کیں کہ اس نے حدیث قرع نعال میں **وتولی وذھب أصحابه** کا غلط اور باطل ترجمہ کیا تھا جبکہ بخاری کی دوسری حدیث کے الفاظ سے یہ مسئلہ بالکل بے غبار ہوجاتا ہے اور اس کے الفاظ یہ ہیں: **و تولی عنه أصحابه** (ح ۱۳۷۴) یہ حدیث صحیح مسلم میں بھی ہے۔(ح ۷۲۱۶) اور صحیح مسلم کے الفاظ کے پیشِ نظر موصوف کی باطل تأویلات مزید بعید بلکہ بعید تر نظر آتی ہیں۔ مسلم کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں: **إن العبد إذا وضع في قبره و تولی عنه أصحابه إنه لیسمع قرع نعالھم قال : یأتیه ملکان** جب بندے کو قبر میں رکھا جاتا ہے اور اس کے ساتھی اس سے منہ پھیر کر واپس پلٹتے ہیں تو وہ ان کی جوتیوں کی چاپ سنتا ہے۔ یہاں پر حدیث کا جملہ مکمل ہوجاتا ہے اور راوی بیان کرتا ہے **قال : یأتیه ملکان** .رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں یہ جملہ اوپر والے جملے سے بالکل الگ تھلگ ہے لہٰذا موصوف کی باطل تأویلات دھری کی دھری رہ جاتی ہیں۔ نیز صحیح مسلم کی تیسری روایت اس باطل تاویل کا بھانڈا بیچ چوراہے پھوڑ دیتی ہے اور وہ حدیث یہ ہے:

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إن المیت إذا وضع في قبره أنه لیسمع خفق نعالھم إذا انصرفوا))

بے شک جب میت کو قبر میں رکھا جاتا ہے تو وہ ان کی جوتیوں کی آواز سنتی ہے جبکہ وہ (اسے دفنا کر) واپس لوٹتے ہیں۔ (صحیح مسلم: ۲۸۷۰، دارالسلام: ۷۲۱۷)

اس حدیث میں فرشتوں کے آنے کا ذکر ہی نہیں ہے اور صرف دفن کر کے واپس لوٹنے والوں کا ذکر ہے لہٰذا اس حدیث سے وہ باطل مفروضہ پاش پاش ہوجاتا ہے مگر افسوس کہ جو لوگ قرآن وحدیث کے بجائے ڈاکٹر عثمانی پر ایمان رکھتے ہیں تو وہ ڈاکٹر

موصوف کی اس باطل تاویل کو درست مانتے ہیں اور صحیح حدیث کو رد کر دیتے ہیں۔

چوتھی حدیث: سیدہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما بیان کرتی ہیں کہ میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئی جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ تھیں اس وقت سورج کو گرہن لگ گیا تھا اور لوگ کھڑے نماز ادا کر رہے تھے............ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی پھر فرمایا: جو جو چیزیں میں نے اب تک نہیں دیکھی تھیں وہ آج اس مقام پر دیکھ لی ہیں یہاں تک کہ جہنم اور جنت بھی دیکھ لی اور مجھ پر وحی آئی کہ قبروں میں دجال کی مثل یا فتنہ دجال کے قریب تمھاری آزمائش ہوگی۔ اسماء رضی اللہ عنہا نے کہا کہ قبر میں تم میں سے ایک کے پاس فرشتہ آتا ہے اور پوچھتا ہے کہ تو اس شخص (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کے متعلق کیا اعتقاد رکھتا تھا؟ مومن یا موقن (یقین کرنے والا) کہتا ہے وہ اللہ کے (سچے) رسول ہیں۔ وہ ہمارے پاس دلیلیں اور ہدایت کی باتیں لے کر آئے تھے۔ ہم نے انھیں مان لیا اور ان پر ایمان لے آئے اور ان کی پیروی اختیار کی پھر اس سے کہا جاتا ہے کہ آرام سے سو جا، ہم جانتے تھے کہ تو ایمان والا ہے۔ اور منافق یا مرتاب (شک کرنے والا) کہے گا کہ میں نہیں جانتا میں وہی کہتا ہوں جو لوگ کہتے تھے۔ (صحیح بخاری:۱۰۵۳)

پانچویں حدیث: سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ بنو نجار کے باغ میں اپنے خچر پر سوار تھے کہ اچانک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خچر بدکا اور قریب تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گرا دے، ناگہاں چھ یا پانچ یا چار قبریں معلوم ہوئیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان قبر والوں کو کوئی جانتا ہے؟ ایک شخص نے کہا میں (جانتا ہوں) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ یہ کب مرے ہیں؟ وہ بولا شرک کے زمانے میں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إن هذا الأمة تبتلى في قبورها فلو لا أن لا تدافنوا لدعوت الله أن يسمعكم من عذاب القبر الذي أسمع منه)) یہ امت اپنی قبروں میں آزمائی جاتی ہے پس اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ تم (مردوں کو) دفن کرنا ہی چھوڑ دو گے تو میں ضرور اللہ سے یہ دعا کرتا کہ وہ تمھیں بھی قبر کا عذاب سنا دے جس طرح میں سنتا ہوں۔

اس کے بعد آپ ﷺ ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: جہنم کے عذاب سے اللہ کی پناہ مانگو۔ ہم نے کہا کہ ہم جہنم کے عذاب سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: قبر کے عذاب سے اللہ کی پناہ چاہو۔ ہم نے کہا: ہم قبر کے عذاب سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ظاہر اور باطن فتنوں سے اللہ کی پناہ مانگو۔ ہم نے کہا: ہم ظاہری اور باطنی فتنوں سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تم دجال کے فتنہ سے اللہ کی پناہ مانگو۔ ہم نے کہا ہم دجال کے فتنہ سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں۔

(صحیح مسلم: ۲۸۶۷، دار السلام: ۷۲۱۳)

اس حدیث کو سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے سیدنا ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے۔ اس واقعہ کو سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ (مسند احمد ۲۹۵/۳، ۲۹۶ ح ۱۴۱۵۲، وسندہ صحیح) اور سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ (مسند احمد ۱۱۴/۳ ح ۱۲۱۲۳، وسندہ صحیح، سنن النسائی ۱۰۲/۴ ح ۲۰۶۰) بھی بیان کرتے ہیں اور سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے متعدد روایات میں یہ واقعہ مروی ہے۔

اس حدیث سے واضح طور پر ثابت ہو گیا کہ میت کو اسی ارضی قبر میں عذاب ہوتا ہے اور نبی ﷺ کی یہ تمنا تھی کہ جس طرح آپ ﷺ عذابِ قبر سنتے ہیں اسی طرح آپ ﷺ کی امت بھی عذابِ قبر سنے لیکن پھر اس خوف سے کہ لوگ عذاب کو سن کر مردے دفن کرنا چھوڑ دیں گے لہٰذا آپ ﷺ نے یہ دعا نہ فرمائی۔ ظاہر ہے کہ مردے اسی ارضی قبر میں ہی دفن ہوتے ہیں، اسی لئے آپ ﷺ نے اس تمنا کا اظہار فرمایا۔

چھٹی حدیث: سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک یہودی عورت ان کے پاس آئی پھر اس نے قبر کے عذاب کا ذکر کیا اور عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا: اللہ تعالیٰ تجھے قبر کے عذاب سے بچائے۔ پس عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے عذابِ قبر کے متعلق دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ((نعم عذاب القبر حق)) جی ہاں! قبر کا عذاب حق ہے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ اس کے بعد میں نے ہمیشہ دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ نے کوئی نماز بھی نہیں پڑھی مگر اس میں قبر کے عذاب سے پناہ مانگی۔ (صحیح بخاری: ۱۳۷۲)

صحیح بخاری کی دوسری روایت میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ مدینہ کے یہودیوں کی دو بوڑھی عورتیں میرے پاس آئیں اور کہنے لگیں: ''**إن أهل القبور يعذبون في قبورهم** '' بے شک قبر والے اپنی قبروں میں عذاب دیئے جاتے ہیں۔

پس میں نے ان عورتوں کو جھوٹا قرار دیا اور مجھے یہ بات اچھی نہ لگی کہ میں ان کی بات مانوں۔ پھر وہ عورتیں چلی گئیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے۔ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ دو بوڑھی عورتیں میرے پاس آئی تھیں اور میں نے پورا واقعہ بیان کیا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((**صدقتا أنهم يعذبون عذابًا تسمعه البهائم كلها**)) ان دونوں نے سچ کہا ہے، بے شک قبر والوں کو (ان کی قبروں میں) عذاب ہوتا ہے جسے تمام چوپائے سنتے ہیں۔

پس اس (واقعہ) کے بعد میں نے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی نماز نہیں پڑھی مگر اس میں قبر کے عذاب سے پناہ مانگی۔ (صحیح بخاری:۶۳۶۶)

(۱) اس حدیث سے واضح طور پر ثابت ہوا کہ مُردوں کو ان کی قبروں میں عذاب ہوتا ہے۔

(۲) اس عذاب کو تمام چوپائے سنتے ہیں۔

ساتویں حدیث: سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دو قبروں پر سے گزرے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان قبر والوں کو عذاب ہو رہا ہے اور انھیں (تمھارے نزدیک) کسی بڑے گناہ کی وجہ سے عذاب نہیں ہو رہا بلکہ ان میں سے ایک تو پیشاب کی چھینٹوں سے نہیں بچتا تھا اور دوسرا چغل خور تھا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور کی ایک تر و تازہ ٹہنی لی اور اسے درمیان سے دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں ان دونوں قبروں پر گاڑ دیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ نے ایسا کیوں کیا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب تک یہ ٹہنیاں خشک نہ ہو جائیں، اس وقت تک اللہ تعالیٰ ان کے عذاب میں تخفیف کر دے گا۔'' (بخاری:۲۱۶ و مسلم:۲۹۲/۱۱۱، دارالسلام:۶۷۷)

صحیح مسلم میں سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کی طویل روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ عذابِ قبر میں کمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا اور شفاعت کے ذریعے سے ہوئی تھی۔ (صحیح مسلم:۳۰۱۲، دارالسلام:۷۵۱۸)

ان احادیث سے کئی باتیں معلوم ہوئیں:

(۱) میت کو عذاب اسی ارضی قبر میں ہوتا ہے اور ان احادیث میں یہی عام قانون بیان ہوا ہے۔ منکرین عذاب القبر چند استثنائی صورتیں ذکر کر کے جو عذاب القبر کا انکار کرتے ہیں تو یہ بات بالکل غلط ہے کیونکہ اس طرح منکرین عذاب القبر اپنی عقل پر تو ایمان رکھتے ہیں اور قرآن وحدیث کا انکار کرتے ہیں اور عملاً وہ اپنے نفس کی پوجا کر رہے ہیں۔

(۲) عذاب القبر میت کو ہوتا ہے زندہ کو نہیں اور میت کا مطلب ہے مردہ، لاش کہ جس میں روح موجود نہیں ہوتی اور احادیث میں قبر کے عذاب کا ذکر میت ہی کے متعلق ہوا ہے۔ لیکن منکرین عذاب القبر کا خیال ہے کہ بغیر روح کے عذاب کیا معنی رکھتا ہے گویا منکرینِ عذابِ قبر احادیث پر نہیں بلکہ اپنی عقل نارسا پر ایمان رکھتے ہیں۔

(۳) احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ میت عذاب کی وجہ سے چیختی چلاتی ہے اور اس کے چیخنے چلانے کی آواز جن اور انسان کے علاوہ قریب کی ساری مخلوق سنتی ہے اور جن وانسان چونکہ مکلّف مخلوق ہے اس لئے ان کو عذاب کا سنانا مصلحت کے خلاف ہے البتہ کبھی کبھی عذاب قبر کی کوئی جھلک اللہ تعالیٰ لوگوں کو دکھا بھی دیتا ہے، جس کی گواہی اخبارات اکثر دیتے رہتے ہیں۔

آٹھویں حدیث: سیدنا ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب میت کو چارپائی پر رکھ دیا جاتا ہے اور مرد اس کو اپنے کندھوں پر اٹھا لیتے ہیں تو اگر میت نیک ہوتی ہے تو کہتی ہے کہ مجھے آگے لے چلو اور اگر وہ نیک نہیں ہوتی تو اپنے گھر والوں سے کہتی ہے: ہائے بربادی مجھے کہاں لے کر جا رہے ہو؟ اس میت کی آواز ہر چیز سنتی ہے سوائے انسان کے اور اگر وہ سن لے تو بے ہوش ہو جائے۔ (صحیح بخاری: ۱۳۸۰)

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ الفاظ ہیں: "جب نیک آدمی کو اس کی چارپائی پر رکھا جاتا ہے تو وہ کہتا ہے: مجھے آگے لے چلو، مجھے آگے لے چلو اور جب برے آدمی کو اس کی چارپائی پر رکھا جاتا ہے تو وہ کہتا ہے: ہائے بربادی وافسوس مجھے تم کہاں لے جا رہے ہو؟"

(سنن النسائی: ۱۹۰۹، وسندہ حسن وصححہ ابن حبان، الموارد: ۷۶۴)

اور بیہقی کی روایت میں مومن اور کافر کے الفاظ بھی آئے ہیں۔ (السنن الکبریٰ ج ۴ص ۲۱)

اس حدیث سے واضح طور پر ثابت ہوگیا کہ عذاب میت کو ہوتا ہے اور یہ بھی ثابت ہوا کہ میت گفتگو کرتی ہے اور عذاب کے آثار کو دیکھ کر چیختی چلاتی ہے جسے انسان کے علاوہ ہر چیز سنتی ہے۔ چونکہ انسان و جنات کو عذاب سنانا مصلحت کے خلاف ہے، اس لئے ان سے اس عذاب کو پردہ غیب میں رکھا گیا ہے، لہٰذا یہ مکلّف مخلوق اس عذاب کو نہیں سن سکتی۔

قبر کا تعلق آخرت سے ہے

جب عذاب القبر کی احادیث ذکر کی جاتی ہیں تو منکرین عذاب القبر ان احادیث پر ایمان لانے کے بجائے الٹا ان پر عقلی قسم کے اعتراضات شروع کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر عذاب القبر کی احادیث کو مان لیا جائے تو اس طرح پھر ہمیں تیسری زندگی کا قائل ہونا پڑے گا اور مطلب یہ ہوگا کہ قبر کا مردہ اب زندہ ہو چکا ہے۔ دیکھتا ہے، سنتا ہے اور یہ بات قرآن کریم کے خلاف ہے حالانکہ اگر یہ عقل کے پجاری قرآن و حدیث پر ایمان لے آتے تو انھیں قرآن و حدیث میں یہ بات ملتی کہ قبر کا تعلق دنیا یا دنیاوی زندگی سے نہیں بلکہ آخرت کے ساتھ ہے اور دنیا سے اب ان کا کوئی تعلق باقی نہیں رہا۔ مردہ کو کوئی شخص بھی قبر میں زندہ نہیں مانتا یعنی دنیاوی زندگی کا کوئی بھی قائل نہیں ہے اور اگر کسی نے ان کی زندگی کا ذکر کیا ہے تو اس سے مراد "برزخی زندگی" ہے۔

(۱) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ ۙ وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ﴾

اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو ثابت قدم (مضبوط) رکھتا ہے قولِ ثابت کے ساتھ دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں بھی، اور اللہ تعالیٰ بے انصافوں کو گمراہ کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ جو چاہتا کرتا ہے۔ (ابراہیم: ۲۷)

نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اس آیت کے متعلق فرمایا کہ یہ عذاب القبر کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

(صحیح بخاری: ۱۳۶۹، صحیح مسلم: ۲۸۷۱، دارالسلام: ۷۲۱۹ واللفظ لہ)

اس آیت میں دو مقامات کا ذکر کیا گیا ہے یعنی دنیا اور آخرت جہاں اہلِ ایمان کو اللہ تعالیٰ ثابت قدم اور مضبوط رکھتا ہے اور نبی ﷺ نے وضاحت فرما دی کہ قبر کا تعلق آخرت کے ساتھ ہے کیونکہ یہ آیت عذاب القبر کے متعلق نازل ہوئی۔ ایک اور حدیث میں سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں:

كان النبي ﷺ إذا فرغ من دفن الميت وقف عليه فقال: ((استغفروا لأخيكم ثم سلوا له بالتثبيت فإنه الآن يسأل .)) نبی ﷺ جب میت کو دفن کرنے سے فارغ ہوتے تو قبر پر کھڑے ہوتے (یعنی قبر کے پاس) پھر فرماتے: اپنے بھائی کے لئے استغفار کرو اور اس کے لئے ثابت قدم رہنے کی دعا کرو اس لئے کہ اس وقت اس سے سوال کیا جا رہا ہے۔ (ابوداود: ۳۲۲۱، وسندہ حسن وصححہ الحاکم فی المستدرک ۱/۳۷۰ ووافقہ الذہبی)

یہ روایت بھی درج بالا آیت کی پوری طرح وضاحت اور تشریح بیان کرتی ہے۔

(۲) سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: **((مامن نبي يمرض إلاخيّر بين الدنيا والآخرة))**

ہر نبی کو مرض موت میں دنیا و آخرت کے درمیان اختیار دیا جاتا ہے۔

(بخاری: ۴۵۸۶ واللفظ لہ، مسلم: ۲۴۴۴)

یعنی اگر وہ چاہے تو ایک مدت تک دنیا میں مزید قیام کر لے اور چاہے تو آخرت کے قیام کو اختیار کر لے۔ اس حدیث میں بھی موت کے بعد کی زندگی کو آخرت قرار دیا گیا ہے۔

(۳) سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **((إنّ القبر أول منزل من منازل الآخرة))** قبر آخرت کی منزلوں میں سے پہلی منزل ہے۔

(الترمذی: ۲۳۰۸ وقال: حسن غریب، وسندہ حسن، ابن ماجہ: ۴۲۶۷ وصححہ الذہبی فی تلخیص المستدرک ۱/۳۷۱)

(۴) سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نبی ﷺ کے مرض الموت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتی ہیں:

''فجمع الله بين ريقي وريقه في آخر يوم من الدنيا و أول يوم من الآخرة .''

پس اللہ تعالیٰ نے میرے اور آپ ﷺ کے لعاب کو آپ ﷺ کے دنیا کے آخری دن اور

آخرت کے پہلے دن جمع فرمایا۔ (صحیح بخاری:۴۴۵۱)

ان احادیث سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں موت کے بعد کے لئے آخرت کا نام ایک جانی پہچانی حقیقت تھی۔

قرآن وحدیث میں مرنے کے بعد کے لئے اور قیامت کے دن کے لئے آخرت کی اصطلاح استعمال ہوئی ہے۔ البتہ بعض اہلِ علم نے مرنے کے بعد سے قیامت تک کے احوال کیلئے برزخی زندگی اور عالمِ برزخ کی اصطلاح ایجاد کی ہے۔ تاکہ مرنے کے بعد سے قیامت تک کے وقفہ اور قیامت کے دن دونوں میں فرق واضح ہوجائے ورنہ مرنے کے بعد کے لئے آخرت کی اصطلاح ہی استعمال کرنا زیادہ درست ہے۔

[**چند فوائد:** عذابِ قبر کا عقیدہ اتنا اہم ہے کہ علمائے کرام نے اس پر کتابیں لکھی ہیں اور کئی علماء نے اس مسئلے پر ابواب مقرر کئے ہیں جن میں سے بعض کا تذکرہ درج ذیل ہے:

۱: صحیح بخاری (کتاب الجنائز باب ماجاء فی عذاب القبر :۸۷/قبل ح ۱۳۶۹)

۲: سنن ابی داود (کتاب السنۃ باب المسألۃ فی القبر وعذاب القبر/قبل ح ۴۷۵۰)

۳: سنن الترمذی (کتاب الجنائز باب ماجاء فی عذاب القبر :۷۰/قبل ح ۱۰۷۱)

۴: سنن النسائی (کتاب الاستعاذۃ باب الاستعاذۃ من عذاب القبر :۵۱/قبل ح ۵۵۱۶)

۵: عذاب القبر للبیہقی (یہ مستقل کتاب عربی میں مطبوع ہے۔)

۶: عذابِ قبر (تصنیف: محمد ارشد کمال)

اردو زبان میں ڈاکٹر ابو جابر عبداللہ دامانوی صاحب حفظہ اللہ کی کتابوں کے بعد یہ کتاب بہت مفید ہے۔ یاد رہے کہ عذابِ قبر والی احادیث متواتر ہیں۔

(دیکھئے شرح عقیدہ طحاویہ بتحقیق الالبانی ص ۴۵۰، ۴۵۱، نظم المتناثر من الحدیث المتواتر للکتانی ص ۱۳۲)

تمام اہلِ سنت اہلِ حدیث اسی عقیدے کے قائل ہیں۔ (شرح عقیدہ طحاویہ بتحقیق احمد شاکر ص ۳۵۳)

پاکستان میں منکرینِ عذابِ قبر کا بڑا لیڈر ڈاکٹر مسعود حسن عثمانی تھا جو علانیہ امام احمد بن حنبل وغیرہ علمائے حق کی تکفیر کرتا تھا اور اسی عقیدے پر کراچی میں مرکر ارضی قبر میں پہنچ گیا۔]

محمد صدیق رضا

اُمتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور شرک

شرک کی تعریف: مسئلہ زیرِ بحث کی حقیقت کو سمجھنے کے لئے اور اصل جواب کے حصول کے لئے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ ''شرک'' کسے کہتے ہیں اور ''شرک'' کی تعریف کیا ہے؟
لغوی طور پر ''شرک'' کے معنی ہیں ''حصہ'' مشہور لغوی علامہ ابن منظور لکھتے ہیں:
''شِرْكٌ :الشِّرْكة و الشَّرِكة سواء :مخالطة الشريكين...... وفى الحديث : مَنْ أعْتَقَ شِرْكًا له في عبدٍ أي حصة و نصيبًا ۔ وفي حديث معاذ :أنّه أجازبين أهل اليمن الشِّرْكَ ۔ أي الإشتراك فى الأرض ، وهو أن يدفعها صاحبها إلى آخر بالنصف أو الثلث أو نحو ذلك '' شرک۔ الشرکۃ اور الشرِکۃ ایک ہی ہیں۔ اس کے معنی شریکوں کا ملنا۔ گڈمڈ ہونا...... اور حدیث میں ہے جس کسی نے غلام میں اپنا ''شرک'' آزاد کر دیا یعنی اپنا حصہ چھوڑ دیا اور سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ کے فرمان میں ہے کہ انھوں نے اہلِ یمن کے درمیان ''شرک'' کی اجازت دی یعنی زمین میں اشتراک کی اجازت دی اور وہ یہ کہ زمین والا/ زمیندار اپنی زمین کسی اور کو کام کرنے کے لئے دے پھر کھیتی میں سے آدھے حصے کے بدلے یا تہائی وغیرہ حصہ کے بدلے یا اسی طرح دے دے۔

(لسان العرب ج ۷ ص ۹۹ دوسرا نسخہ ج ۱۰ ص ۴۴۸، ۴۴۹، مادہ: شرک)

لغت کی معروف کتاب ''المعجم الوسیط'' میں لکھا ہے:
''و۔ فلاناً فى الأمر شِرْكاً ...... كان لكل منهما نصيب منه ۔ فهو شريك ''
(شرک کے معنی ہیں حصہ جیسے کہا جاتا ہے) فلاں شخص فلاں معاملہ میں شریک ہے۔ (تو اس کا مطلب) دونوں میں سے ہر ایک کے لئے اس معاملہ میں کچھ حصہ ہے پس وہ ''شریک'' ہوا۔ (۱/۴۸۰) اس سے یہ معلوم ہوا کہ شرک کے معنی ہیں حصہ اور شریک کے معنی ہیں حصہ دار۔

اب اگر دو برابر کے حصہ دار ہوں تب بھی انھیں شریک یا حصہ دار کہا جائے گا اور کوئی برابر کا حصہ دار نہ بھی ہو بلکہ تہائی یا چوتھائی یا اس سے بھی کم کا حصہ دار ہو تب بھی اسے شریک یا حصہ دار ہی کہا جائے گا۔

کوئی عقلمند انسان یہ نہیں کہے گا کہ جناب فلاں شخص تو محض تہائی یا چوتھائی کا حصہ دار ہے، یہ کوئی حصہ یا شراکت تو نہ ہوئی لہٰذا اس کو ''شریک'' نہیں کہیں گے، ہرگز نہیں! بلکہ معمولی عقل وخرد کا حامل فرد بھی اسے حصہ دار وشریک ہی سمجھے اور کہے گا۔

اس لغوی بحث سے ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ شرک صرف یہ نہیں کہ کسی کو اللہ تعالیٰ کے بالکل برابر سمجھا جائے یا غیر اللہ کے ساتھ بالکل برابر کا معاملہ رکھا جائے جیسا کہ بہت سے لوگ اس غلط فہمی کا شکار ہیں۔ پھر اسی ''بالکل برابری'' کا خاکہ ذہن میں رکھتے ہوئے خود بھی دھوکہ وفریب میں مبتلا ہوتے ہیں اور بہت سے لوگوں کو بھی اسی فریب میں مبتلا کر دیتے ہیں اور عجیب عجیب مثالیں بیان کرنے لگتے ہیں جیسے بعض لوگ یہ کہتے ہوئے سنے جاتے ہیں کہ ''دیکھیں اللہ تعالیٰ کی تمام صفات ''لامحدود'' ہیں نہ کوئی انھیں شمار میں لاسکتا ہے، نہ ان کی حدود متعین کرسکتا ہے۔ اب اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے کسی مقرب بندے میں کوئی صفت کتنی ہی زیادہ مانے مگر وہ محدود مانے تو شرک نہیں، چونکہ اللہ کی صفات لامحدود ہیں لہٰذا برابری کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، جب برابری نہیں تو شرک کہاں رہا؟ اور اسے شرک قرار دینے والے گویا اللہ تعالیٰ کی صفات کی حدود متعین کرنے والے ہیں سو یہ خود کفر ہے!''

جبکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ سب شیطانی وساوس ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ط ثُمَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ یَعْدِلُوْنَ﴾ سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور اندھیروں اور نور کو بنایا پھر بھی جنھوں نے کفر کیا وہ اپنے رب کے ساتھ (اوروں کو) برابر ٹھہرا رہے ہیں۔ (ترجمہ از ضیاء القرآن) [الانعام:۱]

اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ کیا ان کفار لوگوں نے اللہ رب العالمین کی تمام صفات

کی حدود کو جان لیا تھا؟ ان کا پورا احاطہ کر لیا تھا؟ یقیناً نہیں اور ہر گز نہیں۔ پھر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے یہ کیوں فرمایا کہ یہ کفار اپنے رب کے ساتھ اوروں کو برابر ٹھہرا رہے ہیں؟

اس سوال کے جواب میں کرم شاہ الازہری بھیروی صاحب کا یہ تفسیری نوٹ ملاحظہ کیجئے، لکھا ہے کہ "اس کا معنی ہے اَیْ! یَجْعَلُوْنَ لَهٗ عَدِیْلاً (مفردات) یعنی معبودانِ باطل کو خداوند تعالیٰ کا ہمسر اور اس کے برابر بنائے ہوئے ہیں۔ وہ کس طرح انھیں برابر و ہمسر بناتے تھے۔ اس کی وضاحت امام ابن جریرؒ نے ان الفاظ میں کی ہے۔

يعدلون : يجعلون له شريكًا في عبادتهم إياه فيعبدون معه الالهة والأنداد ۔

یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے ساتھ اپنے باطل خداؤں کی بھی عبادت کیا کرتے ہیں۔ اِس سے معلوم ہوا کہ کسی غیر اللہ کی عبادت کرنے کا صاف مطلب یہ ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ کے برابر و ہمسر یقین کیا جا رہا ہے۔" (ضیاء القرآن ج ا ص ۵۳۴)

فریقِ ثانی کے "نامور پیر" کرم شاہ الازہری صاحب کے اس فرمان سے یہ بات واضح طور پر معلوم ہوتی ہے کہ "برابر" کا یہ مقصد قطعاً نہیں کہ پوری طرح سے برابر مان لیا جائے کہ جس سے (معاذ اللہ) اللہ عزوجل کی صفات کی حدود کا تعین اور ان کا احاطہ لازم آئے۔ بلکہ کسی غیر اللہ کی عبادت کرنا ہی برابر و ہمسر جاننے کے لئے کافی ہے اور یہ شرک کی بدترین اقسام میں سے ہے۔

اب یہ عبادت خواہ عبادت کی مختلف اقسام میں سے کسی بھی قسم کی عبادت ہو۔ قیام رکوع، سجدہ، قربانی، نذر، دعا وغیرہ۔ قرآن وسنت میں اس کی بہت سے مثالیں پائی جاتی ہیں۔ ہم چند ایک کو بیان کئے دیتے ہیں تاکہ بات قدرے واضح ہو جائے:

پہلی مثال: شرک فی الدین

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّيْنِ﴾ (اللہ نے) تمھارے لئے دین مقرر کیا۔ (الشوریٰ:۱۳)

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ شریعت اللہ نے بنائی اور جو لوگ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے

علاوہ اپنے بزرگوں اور اکابر کے قوانین کی پیروی کر رہے تھے ان کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا:
﴿اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَالَمْ يَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ ۭ﴾ کیا ان کے لئے کچھ ''شرکاء'' ہیں؟ جنھوں نے ان کے لئے دین مقرر کیا جس کی اللہ نے اجازت نہیں دی۔

(شوریٰ:۲۱)

حافظ امام ابوالفداء اسماعیل بن کثیر رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:
یعنی (اے نبی ﷺ) یہ کفار اس ''دین قویم'' (اسلام) کی پیروی نہیں کرتے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے مقرر فرمایا ہے۔ بلکہ یہ تو اس چیز کی پیروی کر رہے ہیں جو جن و اِنس میں سے ان کے شیاطین نے ان کے لئے مقرر کی۔ تحریم (حرام کرنے) میں سے جو ان پر حرام کیا جیسے (انھوں نے) بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام (کو حرام کیا) اور ان پر مردار، خون اور جوا کو حلال قرار دیا، اسی طرح کی دیگر گمراہیاں باطل جہالتیں جو انھوں نے اپنی جاہلیت میں گھڑ رکھی تھیں حلت و حرمت میں سے اور باطل عبادات اور فاسد باتیں۔
صحیح بخاری (۳۵۲۱ و صحیح مسلم: ۲۸۵۶) میں یہ حدیث ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے عمرو بن لحی کو جہنم میں دیکھا، وہ اپنی آنتیں گھسیٹ رہا تھا، چونکہ یہ پہلا شخص ہے جس نے سائبہ کی رسم ایجاد کی تھی'' (یعنی جانوروں کو بتوں کے نام پر چھوڑ دینے کی رسم) یہ شخص خزاعہ قبیلے کے بادشاہوں میں سے ایک تھا۔ یہی وہ پہلا شخص ہے جس نے یہ سب کام کئے، اسی نے قریش کو بتوں کی پوجا پر اکسایا، اللہ اس پر لعنت کرے اور اس کا بُرا ہو۔

(تفسیر ابن کثیر ۵/۴۹۷)

[(۱) بحیرہ و سائبہ وغیرہما کے متعلق مفسرینِ کرام کے مختلف اقوال ہیں، ہم صحیح بخاری کتاب التفسیر سے جلیل القدر تابعی سیدنا سعید بن المسیب نے جو معنی نقل کئے ہیں وہ درج کر دیتے ہیں:
(۲) بحیرۃ: وہ اونٹنی ہے جس کا دودھ بتوں کے لئے وقف کر دیا جاتا، تو کوئی اس کا دودھ نہ دوہتا۔ (۳) سائبہ: وہ اونٹنی جسے کفار اپنے آلہہ (معبودانِ باطلہ) کے لئے چھوڑ دیتے، ان سے بار برداری کا کام نہ لیتے تھے۔

(۱۴) وصیلہ: وہ جوان اونٹنی جو پہلی مرتبہ اور پھر دوسری مرتبہ بھی مادہ بچہ جنتی ہے، درمیان میں نر بچہ نہ جنے بلکہ پے در پے مادہ بچے جنے تو مشرکین اسے آزاد چھوڑ دیتے تھے۔

(۱۵) حام: وہ نر اونٹ کہ جس کی جفتی سے اونٹنی سے ہونے والے بچوں کی پیدائش کی تعداد مقرر کر لیتے، جب وہ تعداد پوری ہو جاتی تو اسے وہ کفار اپنے بتوں کے نام پر آزاد چھوڑ دیتے، اس نر اونٹ کو بھی بار برداری وغیرہ سے چھٹی مل جاتی۔ (صحیح البخاری:۴۶۲۳)]

اس سے واضح ہوتا ہے کہ قانون سازی، شریعت سازی اللہ کی صفت ہے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے شریعت بنائی۔ لیکن مشرکین نے اس صفت میں شریک ٹھہرایا اور اپنے بڑوں کے بنائے ہوئے قوانین (شریعت) کی پیروی کی تو یہ اللہ تعالیٰ کی صفتِ تشریع میں شرک ہوا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے شرکاء کا لفظ بیان فرما کر ان کے اس "شرک" کو واضح کیا اور اسے شرک قرار دیا۔

یہاں ان مشرکین کا اپنے بزرگوں کو ہر لحاظ سے اللہ کے برابر سمجھنے کا کوئی ثبوت نہیں بلکہ قرآن وسنت ہی سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ اپنے معبودوں کو اللہ تعالیٰ کی مخلوق ومملوک مانتے تھے۔ (جیسا کہ آگے آ رہا ہے/ ان شاء اللہ) لہٰذا برابر سمجھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

دوسری مثال: کعبہ کی قسم

سیدہ قتیلہ بنت صیفی رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، آپ فرماتی ہیں کہ (یہود کے) علماء میں سے ایک عالم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا اور کہا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ کیا ہی خوب قوم ہیں اگر آپ (کی قوم کے لوگ) شرک نہ کریں! تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر تعجب کیا اور فرمایا: سبحان اللہ (یعنی اللہ کی ذات کو ہم شرک سے منزہ جانتے ہیں) وہ کیا چیز ہے؟ (جسے تم شرک کہہ رہے ہو) تو یہودی عالم نے کہا: آپ لوگ جب قسم کھاتے ہیں تو کہتے ہیں: "وَالْكَعْبَةِ" کعبہ کی قسم! اس بات پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ دیر توقف فرمایا ....اس کے بعد فرمایا: تم میں سے جو کوئی قسم کھائے وہ اس طرح کہے کہ "ربِ کعبہ کی قسم"

(یہودی) عالم نے دوبارہ کہا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ کیا ہی خوب قوم ہیں اگر آپ (کی

قوم) اللہ کے ساتھ شریک نہ ٹھہرائیں ! تو آپ ﷺ نے فرمایا: سبحان اللہ ! وہ کیا ہے؟ تو اس یہودی نے کہا آپ لوگ کہتے ہیں ''ماشاء اللّٰہ و شئت'' جو اللہ چاہے اور آپ چاہیں ۔ اس پر آپ ﷺ کچھ دیر ٹھہرے پھر فرمایا: جو کوئی اس طرح کہنا چاہے تو وہ ''ماشاء اللّٰہ'' اور ''شئت'' کے درمیان ثم کے ذریعے فصل (علیحدگی) کرے۔

یعنی یوں کہے کہ ''ماشاء اللّٰہ ثم شئت'' جو اللہ چاہے پھر جو آپ چاہیں، نہ کہ اس طرح: ''جو اللہ اور آپ چاہیں''

(مسند احمد ۶/۳۷۱، ۳۷۲ ح ۲۷۶۳۳، النسائی: ۳۸۰۴ وسندہ صحیح، وصححہ الحاکم ۴/۲۹۷ ح ۷۸۱۵ ووافقہ الذہبی)

اس حدیثِ مبارکہ میں رسول اللہ ﷺ سے گفتگو کے دوران میں اس یہودی عالم نے جب کعبہ کی قسم کھانے کو شرک قرار دیا تو آپ ﷺ نے اس کی اس بات کی تردید نہیں فرمائی بلکہ آپ ﷺ نے جملہ اہلِ اسلام کو آئندہ اس طرح کی قسم کھانے سے منع فرما دیا اور فرمایا: کعبہ کی قسم کے بجائے ربِ کعبہ کی قسم کھاؤ۔

اب جو مسلمان کعبہ کی قسم کھایا کرتے تھے، کیا کوئی ایمان والا ان کے متعلق یہ بدگمانی کر سکتا ہے کہ نعوذ باللہ وہ کعبہ کو ذات یا صفات کے اعتبار سے اللہ رب العالمین کے بالکل برابر سمجھتے تھے؟ ہرگز نہیں، ایمان والا تو ایسا سوچ بھی نہیں سکتا، اس کے باوجود اس قسم کو شرک قرار دینا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ ''شرک'' صرف یہ نہیں کہ ''کسی کو ذات یا صفات کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے بالکل برابر سمجھا جائے'' اگر ایسا ہی ہوتا اور ''شرک'' کی صرف یہی صورت ہوتی تو رسول اللہ ﷺ اس یہودی عالم پر یہ ضرور واضح فرما دیتے کہ اس کو شرک قرار دینا تمھاری کم علمی اور غلط فہمی ہے کیونکہ اس میں تو ''شرک'' والی کوئی بات نہیں۔

شذرات الذہب　**سنت اور سلف صالحین**　سید تنویر الحق ہزاروی

سید الفقہاء امام محمد بن اسماعیل البخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب نبی کریم ﷺ کی حدیث اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آثار ثابت ہو جائیں تو اسود (بن یزید التابعی) وغیرہ کے اقوال و افعال میں حجت باقی نہیں رہتی۔ (نصر الباری فی تحقیق جزء القراءۃ للبخاری ص ۹۳)

ابن بشیر الحسینوی

زکوٰۃ کے احکام

انتہائی اختصار کے ساتھ کتاب وسنت کی روشنی میں زکوٰۃ کے بعض احکام پیشِ خدمت ہیں:

۱۔اہمیتِ زکوٰۃ: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا﴾ (اے پیغمبر!) آپ ان کے اموال میں سے زکوٰۃ وصول کریں تا کہ آپ انھیں پاک کردیں۔ (التوبۃ:۱۰۳)

زکوٰۃ اسلام کے ارکان میں سے ہے۔ (صحیح بخاری:۸، صحیح مسلم:۱۶)

نبی ﷺ نے فرمایا: "جسے اللہ تعالیٰ نے مال دیا لیکن اس نے زکوٰۃ ادا نہ کی تو قیامت کے دن اس کا مال زہریلے گنجے سانپ کی شکل اختیار کرے گا جس کی آنکھوں پر دو سیاہ نقطے ہوں گے اور وہ اس کے گلے کا ہار ہوگا، وہ اس کے دونوں جبڑوں کو پکڑے گا اور کہے گا: میں تیرا مال ہوں، میں تیرا خزانہ ہوں" (صحیح بخاری:۱۴۰۳)

جانوروں کی زکوٰۃ کے احکام

۱: جانوروں کی زکوٰۃ کے اجماعی مسائل

امام ابن المنذر رفرماتے ہیں: "اجماع ہے کہ اونٹ، گائے اور بکریوں میں زکوٰۃ فرض ہے۔ اجماع ہے کہ پانچ سے کم اونٹوں میں زکوٰۃ فرض نہیں۔ اجماع ہے کہ چالیس بکریوں سے کم پر زکوٰۃ فرض نہیں۔ اجماع ہے کہ چالیس سے ایک سوبیس بکریوں تک کی زکوٰۃ ایک بکری ہے اور دوسو بکریوں تک کی زکوٰۃ دو بکریاں۔ اجماع ہے کہ (زکوٰۃ میں) بھینس گائے کے حکم میں ہے۔ اجماع ہے کہ بھیڑ اور دنبہ زکوٰۃ میں مشترک ہیں (یعنی دونوں کی مشترک تعداد فرض زکوٰۃ کی معینہ تعداد کو پہنچ جائے تو زکوٰۃ واجب ہوگئی، یاد رہے کہ بھیڑ دنبے کا حکم بکریوں کا حکم ہے) اجماع ہے کہ (زکوٰۃ میں) اونٹ کا شمار بکری یا گائے

کے ساتھ نہیں ہوگا، نہ گائے کا شمار اونٹ اور بکری کے ساتھ ہوگا، لہٰذا جب تک تینوں قسمیں الگ الگ اپنی معینہ مقدار و تعداد کو نہ پہنچ جائیں زکوٰۃ فرض نہ ہوگی۔''

(کتاب الاجماع ۳۴،۳۳ مترجم)

۲: اونٹوں کی زکوٰۃ

پانچ اونٹوں سے کم پر زکوٰۃ نہیں ہے، اس پر اجماع ہے۔ کما تقدم

جب اونٹوں کی تعداد پانچ ہو جائے تو ان پر ایک بکری اور پھر چوبیس اونٹوں تک کی زکوٰۃ بکریوں کی صورت میں ادا کی جائے گی۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ پانچ سے نو تک ایک بکری، دس سے چودہ تک دو بکریاں، پندرہ سے انیس تک تین بکریاں، اور بیس سے چوبیس تک چار بکریاں زکوٰۃ میں لی جائیں گی۔

جب اونٹوں کی تعداد پچیس ہو جائے تو ان میں ایک سال کی اونٹنی یا دو سال کا اونٹ ہے۔ چھتیس اونٹوں میں دو سال کی اونٹنی ہے۔ چھیالیس اونٹوں میں تین سال کی اونٹنی ہے۔ اکسٹھ اونٹوں میں چار سال کی اونٹنی ہے۔ چھہتر اونٹوں میں دو دو سال کی دو اونٹنیاں ہیں۔ اکانوے سے ایک سو بیس تک تین تین سال کی دو اونٹنیاں ہیں۔ اگر تعداد ایک سو بیس سے زیادہ ہو جائے تو ہر چالیس پر دو سال کی اونٹنی اور ہر پچاس پر تین سال کی اونٹنی لازم آئے گی۔ (بخاری: ۱۴۵۳، ۱۴۵۴)

۳: گائے (اور بھینس) کی زکوٰۃ

تیس گائیوں پر ایک سالہ مادہ گائے یا نر بچھڑا زکوٰۃ ہے۔ چالیس گائیوں پر دو سال کا بیل یا گائے واجب ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ۳/ ۱۲۸ ح ۹۹۳۳ عن الحکم بن عتیبہ وحماد بن ابی سلیمان من قولہما وسندہ صحیح)

جانوروں کی زکوٰۃ کی دو شرطیں ہیں: (۱) نصاب کو پہنچنے کے بعد ان پر ایک سال گزر جائے۔ (۲) ان کی پرورش کا سارا سال یا سال کے اکثر حصے میں جنگلوں، پہاڑوں یا سبز میدانوں میں چرانے پر ہوئی ہو اگر زیادہ انحصار چرانے پر ہو لیکن کبھی کبھار گھر پر بھی چارا

ڈالا جائے تو زکوٰۃ میں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔

۴۔ بکریوں (بھیڑوں اور دنبوں) کی زکوٰۃ

چالیس بکریوں سے کم پر زکوٰۃ نہیں ہے [اس پر اجماع بھی ہے (کما تقدم)]

چالیس سے ایک سو بیس بکریوں تک ایک بکری ہے۔

ایک سو اکیس سے دو سو تک دو بکریاں ہیں۔ پھر ہر سو پر ایک بکری واجب ہوتی ہے۔

(صحیح بخاری:۱۴۵۴)

۵۔ درج ذیل صفات والے جانور بطور زکوٰۃ وصول نہیں کئے جائیں گے۔

بوڑھا، بھینگا، نر الا یہ کہ زکوٰۃ وصول کرنے والا شخص (نر لینا) مناسب سمجھے۔ (صحیح بخاری:۱۴۵۵)

عیب دار جانور (ابوداود:۱۵۶۸، وھو حسن، ترمذی:۶۲۱)

اسی طرح بانجھ، پالتو جانور، حاملہ اور سانڈ بھی زکوٰۃ میں وصول نہ کیا جائے۔

(موطأ ۱/۲۶۷ ح ۶۰۴ وھو حسن، السنن الکبریٰ للبیہقی ۴/۱۰۰، وسندہ حسن)

۶۔ سونے اور چاندی میں زکوٰۃ

چند وہ مسائل جن پر اجماع ہے:

امام ابن المنذر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''اجماع ہے کہ بیس مثقال سونے پر جس کی قیمت دو سو درہم ہے زکوٰۃ فرض ہے۔

اجماع ہے کہ بیس مثقال سے کم سونے پر جس کی قیمت دو سو درہم سے کم ہو اس پر زکوٰۃ فرض نہیں۔

اجماع ہے کہ سونا، چاندی کے نامعلوم خزانے دستیاب ہونے پر پانچواں حصہ زکوٰۃ (ادا کرنا ضروری) ہے، مسئلہ سابق کا لحاظ کرتے ہوئے۔'' (کتاب الاجماع ص ۳۴، ۳۵)

سونے کا نصاب بیس دینار ہے، اس سے کم پر زکوٰۃ واجب نہیں، زکوٰۃ ادا کرنے کے لئے سال کا گزرنا بھی شرط ہے ورنہ اس پر زکوٰۃ نہیں۔

(موطأ امام مالک ۱/۲۴۶ عن ابن عمر رضی اللہ عنہ من قولہ وسندہ صحیح)

اس میں اڑھائی فی صد کے حساب سے چالیسواں حصہ زکوٰۃ ہے۔

چاندی کا نصاب دوسو درہم ہے، اس سے کم میں زکوٰۃ واجب نہیں۔ (بخاری:۱۴۴۷، مسلم:۹۷۹)

چاندی میں بھی چالیسواں حصہ زکوٰۃ ہے۔ (بخاری:۱۴۵۴)

موجودہ دور میں سونے کا نصاب ساڑھے سات تولے (ستاسی گرام) بنتا ہے کیونکہ بیس دینار ساڑھے سات تولے ہی بنتا ہے۔

مگر بعض علماء کے نزدیک سونے کا نصاب ستر گرام مانا گیا ہے کیونکہ ان کے نزدیک بیس دینار ستر گرام بنتا ہے۔

موجودہ دور میں چاندی کا نصاب ساڑھے باون تولے (چھ سو بارہ گرام) بنتا ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک دوسو درہم ساڑھے باون تولے بنتا ہے مگر بعض علماء کے نزدیک چاندی کا نصاب چارسو ساٹھ گرام مانا گیا ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک دوسو درہم چارسو ساٹھ گرام بنتا ہے۔

یاد رہے کہ چاندی اور سونے کا نصاب الگ الگ ہے۔

زیورات میں بھی زکوٰۃ ہے۔ (ابوداود:۱۵۶۳، وسندہ حسن، ترمذی:۶۳۷ من طریق آخر)

یہ زکوٰۃ ہر سال ادا کرنی ہوگی۔

۳۔ مالِ تجارت میں زکوٰۃ

تجارت کے مال میں زکوٰۃ لازم ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ باب قائم کرتے ہیں:

محنت اور تجارت کے مال میں زکوٰۃ ادا کرنا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ''اے ایمان والو! اپنی پاکیزہ کمائی سے خرچ کرو۔'' (البقرۃ:۲۶۷، صحیح بخاری قبل حدیث:۱۴۴۵)

امام ابن المنذر رفرماتے ہیں: ''اجماع ہے کہ مال تجارت میں سال گزر جانے پر زکوٰۃ فرض ہے۔'' (کتاب الاجماع ص ۳۶)

نیز ہر قسم کے مال تجارت میں زکوٰۃ ضروری ہے خواہ فروٹ، سبزیاں، گاڑیاں اور شوروم وغیرہ ہوں نیز ہر قسم کے جانور جس کی بھی تجارت کی جاتی ہے اس پر زکوٰۃ فرض ہے۔

مال تجارت سے زکوٰۃ ادا کرنے کا طریقہ

نقد رقم کی گنتی کی جائے پھر ہر قسم کے سامان تجارت کی قیمت کا اندازہ کر کے دونوں کو ایک جگہ جمع کر لے، اگر کسی سے قرض لینا ہے اور اس سے ملنے کی امید بھی ہے، اسے بھی موجودہ رقم میں جمع کر لے پھر جتنا کسی کو قرض دینا ہے وہ الگ کر لے، اب جو رقم باقی بچی ہے، اس میں سے اڑھائی فی صد کے حساب سے (چالیسواں) حصہ زکوٰۃ ادا کرے۔

[میمون بن مہران تابعی رحمہ اللہ نے فرمایا: جب تمھارا زسکوٰۃ کا وقت آئے تو اپنے سارے مال کا حساب کرو، جس قرضے کے ملنے کی امید ہے، اسے بھی شمار کرو اور پھر تم پر جو قرض ہے اسے منہا کر کے نکال دو پھر باقی کی زکوٰۃ ادا کرو۔ کتاب الاموال لابی عبید: ۱۲۱۹، وسندہ حسن]

ہر وہ چیز جو تجارت کے لئے نہیں بلکہ صرف ذاتی استعمال کے لئے ہے مثلاً گھر یا دکان کی عمارت، مشینری، فرنیچر وغیرہ اور جن کی خرید وفروخت نہیں کی جاتی، ان پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ لیکن اگر یہی چیزیں تجارت کے لئے ہوں تو ان پر زکوٰۃ ہے نیز آلاتِ تجارت پر زکوٰۃ نہیں ہے۔

۴۔ ہر قسم کے پھل اور ہر جنس پر زکوٰۃ واجب ہے۔

ہر پھل اور کھیتی جو زمین سے پیدا ہوتی ہے اس سے زکوٰۃ نکالنا ضروری ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "کٹائی کے دن اس کا حق ادا کرو۔" (الانعام: ۱۴۱)

زرعی پیداوار میں زکوٰۃ ادا کرنے کو عشر کہا جاتا ہے۔

عشر ادا کرنے کا طریقہ

جو زمین نہروں اور آسمانی بارش کے ذریعے سے سیراب ہوتی ہے اس میں سے دسواں حصہ نکالا جائے گا اور جس زمین کو جانوروں (وغیرہ) کے ذریعے سے سیراب کیا جاتا ہے اس میں سے بیسواں حصہ ہے۔ (صحیح مسلم: ۹۸۱)

ایک حدیث میں ہے کہ "وہ زمین جو آسمان یا چشمے سے سیراب ہوتی ہے یا وہ خود نمی کی وجہ سے سیراب ہو جاتی ہے تو اس کی پیداوار میں سے دسواں حصہ زکوٰۃ ہے اور جسے کنویں سے

پانی کھینچ کر سیراب کیا جاتا ہے اس کی پیداوار میں سے بیسواں حصہ زکوٰۃ ہے۔ (صحیح بخاری:۱۴۸۳)

یادرہے کہ وہ زمینیں جن کو ایسا پانی دیا جاتا ہے جو مشقت سے حاصل ہوتا ہے یا جس پر بل وغیرہ ادا کیا جاتا ہے اس میں سے بھی بیسواں حصہ ہے اور نہری پانی بھی اسی میں سے ہے کیونکہ گورنمنٹ کی طرف سے اس پر سالانہ ٹیکس لاگو ہوتا ہے۔ ایسی فصل کی پیداوار پر بیسواں حصہ زکوٰۃ نکالی جائے گی۔

لیکن جو زمینیں سیراب ہوتی ہیں قدرتی ذرائع سے مثلاً چشمہ، بارش وغیرہ یا جس پانی کے حاصل کرنے پر مشقت نہ ہوئی ہو یا اس پر بل بھی لاگو نہ آتا ہو تو اس زمین کی پیداوار پر دسواں حصہ زکوٰۃ ہے۔ یہ اکثریت پر محمول ہے یعنی اگر چشموں سے سیراب ہونے والی زمین کو کبھی کبھار ٹیوب ویل وغیرہ کا پانی بھی لگا دیا جائے تو اس میں دسواں حصہ ہی ہے۔

اسی طرح ٹیوب ویل کے ذریعے سے سیراب ہونے والی زمینیں کبھی کبھار چشموں وغیرہ سے سیراب ہو جائیں تو اس پر بیسواں حصہ ہی ہے۔

تنبیہ: فصل کٹتے ہی اس کی زکوٰۃ (عشر) نکالی جائے گی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ﴾ اور کٹائی کے دن اس کا حق ادا کرو۔ (الانعام:۱۴۱)

۱: شہد میں دسواں حصہ زکوٰۃ ادا کرنی چاہئے

سیدنا عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بنو مُتعان کے بلال (رضی اللہ عنہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شہد کا دسواں حصہ لے کر آئے۔ الخ (سنن ابی داود:۱۶۰۰، وسندہ حسن)

۵۔ اگر جاہلیت کے زمانے کا زمین میں مدفون خزانہ ملے تو اس پر بھی بطور زکوٰۃ پانچواں حصہ دینا ضروری ہے۔ خواہ اس کے حاصل کرنے پر کوئی مشقت نہ اُٹھائی ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "اور رکاز (دفینے) میں پانچواں حصہ لیا جائے گا۔"

(صحیح بخاری:۱۴۹۹، صحیح مسلم:۱۷۱۰)

تنبیہ: یادرہے اس میں سال اور نصاب کی کوئی شرط نہیں ہے۔ دیکھئے صحیح بخاری (قبل ح ۱۴۹۹)

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ "جمہور علماء کا اسی بات پر اتفاق ہے کہ (رکاز میں) سال کا عرصہ

گزرنے کی شرط نہیں لگائی جائے گی بلکہ فی الوقت پانچواں حصہ نکالنا واجب ہے۔''

(فتح الباری ۳۶۵/۳)

۱۲۔ زکوٰۃ کے آٹھ مصارف ہیں:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ''صدقات صرف

(۱) فقیروں کے لئے ہیں۔ (۲) اور مسکینوں کے لئے (۳) اوران کے وصول کرنے والوں کے لئے (۴) اوران کے لئے جن کے دلوں میں الفت ڈالنا مقصود ہو۔ (۵) اور گردن چھڑانے (غلام آزاد کرنے) میں (۶) قرض داروں کے لئے (۷) اور اللہ کی راہ میں (۸) اور راستے پر چلنے والے مسافروں کے لئے فرض ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ تعالیٰ علم وحکمت والا ہے۔'' (التوبۃ:۶۰)

فائدہ: ان آٹھ قسموں میں سے کسی ایک کو صدقہ دیا جاسکتا ہے۔ دلیل وہ حدیث ہے جس میں رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ ''زکوٰۃ ان کے اغنیاء سے وصول کی جائے گی اور ان کے فقراء میں تقسیم کردی جائے گی۔ (صحیح بخاری:۱۳۹۵، صحیح مسلم:۱۹)

[قریبی رشتہ داروں کو زکوٰۃ وصدقات دینا جائز ہے بشرطیکہ وہ اس کے اہل وعیال میں سے نہ ہوں۔ (ابن ابی شیبہ ۱۹۲/۳ ح ۱۰۵۳۶، عن عطاء بن ابی رباح وسندہ صحیح)

واضح رہے کہ قریبی رشتہ داروں کو صدقہ وخیرات دینا دوہرے اجر کا سبب ہے۔

(صحیح بخاری:۱۴۶۶، ۱۴۶۷، صحیح مسلم:۱۰۰۰، ۱۰۰۱)]

۱۳۔ بنو ہاشم اور بنو مطلب پر زکوٰۃ حرام ہے۔

رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ ''صدقہ (زکوٰۃ) آلِ محمد کے لئے جائز نہیں، یہ تو لوگوں کے مال کی میل کچیل ہے۔ (صحیح مسلم:۱۰۷۲)

ایک روایت میں ہے: ''یہ محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اور آلِ محمد کیلئے حلال نہیں۔''

(صحیح مسلم:۱۰۷۲، دارالسلام:۲۴۸۲)

۱۴۔ خاوند اپنی بیوی کو زکوٰۃ نہیں دے سکتا۔

امام ابن المنذ رفرماتے ہیں: ''اجماع ہے کہ شوہر بیوی کو مالِ زکوٰۃ نہیں دے سکتا، کیونکہ اس کے اخراجات شوہر کے ذمہ ہیں، شوہر کی تونگری و بے نیازی بیوی کی تونگری و بے نیازی ہے۔ (کتاب الاجماع رقم:۱۲۰)

۱۵۔ اولاد والدین کو زکوٰۃ نہیں دے سکتی۔

امام ابن المنذ رفرماتے ہیں: ''اجماع ہے کہ زکوٰۃ والدین کو نہیں دی جائے گی، نیز اولاد میں سے جن کے اخراجات کا ذمہ دار باپ ہے انھیں بھی ادا نہیں کرے گا۔'' (کتاب الاجماع:۱۱۹)

۱۶۔ بیوی خاوند کو زکوٰۃ دے سکتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ عیدالاضحیٰ یا عیدالفطر کے دن عیدگاہ تشریف لے گئے پھر (نماز کے بعد) لوگوں کو وعظ فرمایا اور صدقہ کا حکم دیا۔ پھر آپ نے فرمایا: لوگو! صدقہ کرو۔ پھر آپ عورتوں کی طرف گئے اور ان سے بھی یہی فرمایا کہ عورتو! صدقہ دو کہ میں نے جہنم میں بکثرت تمھیں دیکھا ہے.........

.....سیدہ زینب رضی اللہ عنہا سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی بیوی تھیں، وہ رسول اللہ ﷺ کے گھر تشریف لائیں، اجازت ملنے پر رسول اللہ ﷺ کے پاس جا کر عرض کیا: یا رسول اللہ! آج آپ نے صدقہ کا حکم دیا تھا، اور میرے پاس بھی کچھ زیور ہے جسے میں صدقہ کرنا چاہتی تھی۔ مگر (میرے شوہر) ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ خیال ہے کہ وہ اور ان کی اولاد اس صدقہ کے ان (مساکین) سے زیادہ مستحق ہیں جن پر میں صدقہ کروں گی۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ٹھیک کہا ہے۔ تیرا شوہر اور اس کی اولاد تیرے صدقے کی زیادہ مستحق ہے۔'' (صحیح بخاری:۱۴۶۲)

بیوی اس مال سے خاوند کو صدقہ یا زکوٰۃ دے گی جو اس کی اپنی جائیداد اور ملکیت میں ہے۔

۱۷۔ صدقہ فطر کا بیان

۱: صدقہ فطر کن لوگوں پر فرض ہے؟

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ''رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کے غلام،

آزاد، مرد، عورت، بچے، بوڑھے سب پر صدقۂ فطر فرض کیا ہے ایک صاع (تقریباً اڑھائی کلو) کھجوروں سے اور ایک صاع جو سے اور اس کے متعلق حکم دیا ہے کہ یہ فطرانہ نماز (عید) کے لئے جانے سے پہلے ادا کر دیا جائے۔'' (صحیح بخاری:۱۵۰۳، صحیح مسلم:۹۸۴)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں پر صدقۂ فطر فرض ہے اور امام ابن المنذر رنے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ (کتاب الاجماع:۱۰۶)

۲: مذکورہ افراد کی طرف سے صدقۂ فطر ادا کرنا فرض ہے۔ امام ابن المنذر رفرماتے ہیں: ''اجماع ہے کہ صدقۂ فطر آدمی پر واجب ہے اگر اسے اپنی طرف سے اور اپنی مفلوک الحال اولاد کی طرف سے ادا کرنے کی قدرت ہو۔'' (کتاب الاجماع:۱۰۷)

نیز فرماتے ہیں: '' اجماع ہے کہ آدمی پر اپنے مملوکہ موجود غلام کی طرف سے بھی صدقۂ فطر ادا کرنا واجب ہے۔'' (کتاب الاجماع:۱۰۹)

فائدہ (۱): ذمی پر اپنے مسلمان غلام کا صدقۂ فطر واجب نہیں، ابن المنذر رنے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ (کتاب الاجماع:۱۰۹)

فائدہ (۲): عورت نکاح سے پہلے اپنا صدقہ فطر خود ادا کرے گی۔
امام ابن المنذر رنے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ (کتاب الاجماع:۱۱۰)

فائدہ (۳): امام ابن المنذر رفرماتے ہیں: ''اجماع ہے کہ جنین (بطن مادر میں موجود بچے) پر صدقۂ فطر نہیں۔'' (کتاب الاجماع:۱۱۱)

۳: صدقۂ فطر کی مقدار

مذکورہ حدیث سے ثابت ہوا کہ صدقۂ فطر ایک صاع گھر کے ہر فرد کی طرف سے ادا کرنا چاہئے۔ امام ابن المنذر رفرماتے ہیں: ''اجماع ہے کہ (صدقۂ فطر میں) جو اور کھجور ایک صاع سے کم جائز نہیں۔'' (کتاب الاجماع:۱۱۲)

ایک صاع کا وزن تقریباً اڑھائی کلو بنتا ہے۔

۴: صدقۂ فطر ادا کرنے کا وقت

احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ صدقۂ فطر نماز عید سے پہلے ادا کرنا چاہئے۔ ایک حدیث میں ہے کہ اسے نماز عید کے لئے جانے سے پہلے ادا کر دیا جائے۔ (صحیح بخاری:۱۵۰۳)
عید سے ایک یا دو دن پہلے صدقۂ فطر ادا کرنا صحابہ رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے۔ (صحیح بخاری:۱۵۱۱)

۵: صدقۂ فطر کن اشیاء سے نکالا جا سکتا ہے؟

کھجور، جو (صحیح بخاری:۱۵۰۳، صحیح مسلم:۹۸۴) گندم، کھجور، پنیر، منقیٰ (صحیح بخاری:۱۵۰۶، صحیح مسلم:۹۸۵)
صدقۂ فطر ادا کرنے کے مقاصد یہ ہیں: "تاکہ روزہ دار (دورانِ روزہ میں کی ہوئی) لغو حرکات سے پاک ہو جائے اور مساکین کو کھانے کا سامان مل سکے۔"

(ابوداود:۱۶۰۹، وسندہ حسن، ابن ماجہ:۱۸۲۷، وصححہ الحاکم ۴۲۵/۱، ۴۲۶ ووافقہ الذہبی)

معلوم ہوا کہ جو چیز بطورِ صدقۂ فطر ادا کی جائے وہ چیز کھانے کا ذریعہ ہو۔
تنبیہ: صدقۂ فطر میں جنس کی قیمت ادا کر دینا ثابت نہیں ہے چنانچہ اس سے پرہیز کرنا چاہئے کیونکہ نبی ﷺ کے زمانہ میں نقد قیمت بھی ہوا کرتی تھی مگر وہ صدقۂ فطر میں جنس نکالتے تھے نہ کہ نقد۔ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "صدقۂ فطر روزمرہ کی خوراک سے ادا کرنا چاہئے۔" (مجموع الفتاویٰ ۳۵/۲۵۔۳۶)

[خلیفہ عمر بن عبدالعزیز نے صدقۂ فطر میں ہر انسان سے آدھا درہم لینے کا حکم دیا۔ (ابن ابی شیبہ ۳/۱۷۴ ح ۱۰۳۶۸، وسندہ صحیح) ابواسحاق السبیعی نے کہا: "میں نے لوگوں کو رمضان میں صدقہ (فطر) میں کھانے کی قیمت دراہم دیتے ہوئے پایا ہے۔" (ابن ابی شیبہ:۱۰۳۷۱، وسندہ حسن)
معلوم ہوا کہ نقدی کی صورت میں بھی صدقۂ فطر دیا جا سکتا ہے لیکن بہتر یہی ہے کہ جنس سے دیا جائے۔ واللہ اعلم / زع]

متفرقات: مقروض آدمی پر اس صورت میں زکوٰۃ واجب ہے کہ قرض ادا کرنے کے بعد اس کے پاس اتنا مال موجود ہے جو نصاب کو پہنچتا ہو۔
جو شخص فوت ہو جائے اور اس پر زکوٰۃ واجب تھی تو وصیت اور وراثت پر عمل کرنے سے پہلے زکوٰۃ ادا کریں کیونکہ یہ بھی قرض کی ہی صورت بنتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ "اس وصیت

کے بعد جو تم کر گئے ہو اور قرض کی ادائیگی کے بعد'' (النساء:۱۱)

یہ قرض اللہ کا حق ہے اور اسے ادا کرنا زیادہ ضروری ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ کا قرض ادائیگی میں سب سے زیادہ مستحق ہے۔'' (صحیح بخاری:۱۹۵۳، صحیح مسلم:۱۱۴۸)

اگر کسی کو قرض دیا ہے اور اس کے ملنے کی امید ہے تو اپنے پاس موجود رقم کے ساتھ اس کی بھی زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی، اگر ایسے شخص کو قرض دیا ہے جس سے ملنے کی امید ہی نہیں تو پھر اس قرض کے ملنے تک قرض شدہ مال کی زکوٰۃ کو مؤخر کر دیا جائے گا، اگر وہ قرض مل گیا تو زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی اگر نہ ملا تو زکوٰۃ نہیں۔ (دیکھئے فتاویٰ اسلامیہ ۲/۸۸)

عورت کا حق مہر اگر نصاب زکوٰۃ کو پہنچتا ہے تو اس پر بھی زکوٰۃ واجب ہے۔ جو مال حرام ذریعے سے کمایا گیا ہے اس پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ سونا چاندی کے علاوہ دیگر جواہرات میں زکوٰۃ نہیں ہے۔ اسی طرح، غلام، گھوڑے، گدھوں، خچروں، پالتو عاملہ (بار برداری والے) جانوروں اور آلاتِ تجارت میں بھی زکوٰۃ نہیں ہے۔ [ختم شد]

اسماعیل بن ابی خالد کی تدلیس اور.....

ہفت روزہ الاعتصام (ج ۵۹ شمارہ:۳۲، اگست ۲۰۰۷ء) میں محترم محمد خبیب احمد صاحب حفظہ اللہ کا ایک مضمون ''اہلِ میت کی طرف سے کھانا اور....'' شائع ہوا ہے جس میں انھوں نے طبقۂ ثانیہ اور کثیر و قلیل تدلیس کی بحث لکھ کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اسماعیل بن ابی خالد رحمہ اللہ کی معنعن (عن والی) روایت صحیح ہوتی ہے۔ عرض ہے کہ اسماعیل مذکور کا مدلس ہونا تو ایک حقیقت ہے جس کے متعدد حوالے خبیب صاحب کے اسی مضمون میں موجود ہیں۔ جس راوی کا مدلس ہونا ثابت ہو جائے تو اس کے بارے میں راجح بات یہی ہے کہ غیر صحیحین میں اس کی معنعن روایت ضعیف و ناقابلِ حجت ہوتی ہے۔ (دیکھئے ماہنامہ الحدیث:۳۳ ص ۵۴، ۵۵)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی طبقاتی تقسیم سے امام شافعی رحمہ اللہ کے قول (الرسالہ ص ۳۸۹، ۳۹۰) اور دیگر دلائل کی روشنی میں اختلاف کرنا مذموم نہیں ہے۔ خبیب صاحب حفظہ اللہ کا یہ فرمانا کہ ''ابن ابی خالد صرف شعبی رحمۃ اللہ علیہ سے ہی تدلیس کرتے ہیں۔'' صریح دلیل سے تہی دامن ہونے کی وجہ سے قابلِ التفات نہیں ہے۔ [حافظ زبیر علی زئی]

حافظ ندیم ظہیر

سرور العینین پر ایک نظر

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الأمین ، أما بعد:

حال ہی میں حافظ حبیب اللہ ڈیروی دیوبندی نے استاذ محترم حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ کی کتاب ''نور العینین فی مسئلۃ رفع الیدین'' کا جواب دینے کی سعی لاحاصل کی ہے کیونکہ ڈیروی صاحب نے جن باتوں کو بنیاد بنایا ہے وہ مرجوع (رجوع شدہ) یا کتابت کی غلطیاں ہیں۔اس سے قبل کہ ہم ڈیروی دیوبندی کی تحریر کا جائزہ لیں چند باتیں ملحوظ رکھنا ضروری ہیں:

۱) فضیلۃ الشیخ حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ نے باقاعدہ اعلان کر رکھا ہے کہ ''میری صرف وہی کتاب معتبر ہے، جس کے ہر ایڈیشن کے آخر میں میرے دستخط مع تاریخ موجود ہوں، اس شرط کے بغیر کسی شائع شدہ کتاب کا میں ذمہ دار نہیں ہوں۔''

(القول المتین فی الجہر بالتامین ص۱۲، طبع اول جنوری ۲۰۰۴ء، طبع دوم ص ۱۹، جون ۲۰۰۷ء، ماہنامہ الحدیث شمارہ ۲۷ ص ۶۰، نصر الباری فی تحقیق جزء القراءۃ للبخاری ص ۱۴۱ طبع اول اپریل ۲۰۰۵ء والثانی ستمبر ۲۰۰۶ء)

۲) استاذ محترم حفظہ اللہ نے نور العینین طبع جدید ص ۱۴ پر لکھا ہے: ''اس کا یہی جدید ایڈیشن معتبر ہے'' نیز راقم الحروف نے بھی مقدمۂ کتاب میں لکھا کہ ''اس ایڈیشن میں سابقہ تسامح وغیرہ کی تصحیح اور بعض کی وضاحت بھی کر دی گئی ہے.......اب یہی ایڈیشن معتبر ہے۔''

(دیکھئے نور العینین طبع جدید ص۱۲، نیز دیکھئے ماہنامہ الحدیث: ۲۳ ص ۵۸)

۳) تقریباً جولائی ۲۰۰۶ء کو ڈیروی صاحب اپنے بیٹے اور ساتھیوں کے ہمراہ مکتبۃ الحدیث حضرو ضلع اٹک آئے اور استاذ محترم حفظہ اللہ سے ملاقات کی، دورانِ گفتگو میں فضیلۃ الشیخ حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ نے ڈیروی صاحب سے پوچھا: سنا ہے کہ آپ نور العینین کا جواب لکھ رہے ہیں؟ ڈیروی صاحب نے کہا: جی ہاں! تو استاذ محترم نے فرمایا: جواب لکھتے وقت اس کتاب کے جدید ایڈیشن کو پیشِ نظر رکھیں کیونکہ اب یہی ایڈیشن معتبر ہے۔

لیکن اس کے باوجود ڈیروی صاحب نے ان تمام باتوں کو بھی بنیاد بنایا جن سے باقاعدہ اعلان کے ذریعے سے رجوع کیا جا چکا ہے۔

اس عمل کے ارتکاب سے بیچارے ڈیروی اپنی ہی تحریر کی رُو سے خائن و ملبّس ٹھہرے۔

ڈیروی نے خود لکھا ہے کہ ''کتنی زبردست جسارت ہے اور خیانت و تلبیس ہے کہ جو رسالہ منسوخ ہے اس کا مصنف اس عمل سے رجوع کر چکا ہے اس کی تشہیر کی جا رہی ہے

سنی حکایت ہستی تو درمیان سے سنی　　نہ ابتداء کی خبر ہے نہ انتہاء معلوم''

(نور الصباح حصہ دوم ص ۲۴)

معلوم ہوا کہ رجوع شدہ بات کی تشہیر ڈیروی کے نزدیک خیانت و تلبیس ہے۔ ع

لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا

اب دیکھئے کہ ڈیروی صاحب کتنے بڑے خائن اور تلبیس سے کام لینے والے ہیں۔

ڈیروی صاحب لکھتے ہیں: ''فلہذا زبیر علی زئی کا جھوٹ ظاہر ہو گیا کہ حافظ صلاح الدین نے سفیان ثوری کو طبقہ ثالثہ میں شمار کیا ہے۔'' (نور الصباح حصہ دوم ص ۲۴۰)

تجزیہ: حالانکہ استاذ محترم حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ نے نور العینین طبع سوم، مارچ ۲۰۰۴ء ص ۱۲۳ پر دوٹوک الفاظ میں وضاحت فرمائی کہ ''حافظ العلائی کا یہاں ذکر میرا وہم تھا۔ صحیح یہ ہے کہ امام حاکم کا قول ہے۔ الحمد للہ''

لیکن ڈیروی صاحب مُصر ہیں کہ یہ حافظ زبیر علی زئی کا جھوٹ ہے۔ ڈیروی صاحب آپ اپنی تحریر کی رُو سے خائن و ملبس ثابت ہو چکے ہیں۔

تنبیہ: حافظ العلائی کے قول سے امام حاکم کا قول بدرجہا بہتر ہے لہٰذا دلیل اور زیادہ مضبوط ہو گئی ہے۔ یاد رہے کہ سرفراز خان صفدر دیوبندی نے امام حاکم کو بحوالہ حافظ ذہبی ''الامام الحافظ اور الحجۃ'' لکھا ہے۔ دیکھئے احسن الکلام (ج ۱ ص ۲۳۲) لہٰذا امام حاکم پر ڈیروی کی نیش زنی مردود ہے۔ اب ڈیروی صاحب کی ایک دوسری تحریر کی طرف توجہ مبذول کراتا ہوں، شاید کہ اپنے کئے پر نادم ہو کر توبہ کر لیں!!

ڈیروی نے لکھا ہے: ''غلط بیانی اور تلبیس گناہ ہے، اس کو آپ گناہ سمجھیں گے تو یہ مرض زائل ہوسکتی ہے ورنہ زیادہ مصیبت میں مبتلا ہو جاؤ گے'' (نور الصباح حصہ دوم ص ۴۴)

ڈیروی صاحب نے مزید لکھا کہ ''مولانا زبیر علی زئی فرماتے ہیں سفیان ثوریؒ احد الاعلام علماً و زہدًا (الکاشف ج ا ص ۳۰۰) صحیح بخاری و صحیح مسلم کا راوی ہے (تقریب) طبقہ ثانیہ کا مدلس ہے جس کی تدلیس مضر نہیں الا اذا ثبت واللہ اعلم (طبقات المدلسین کا مطالعہ کریں) (جرابوں پر مسح ص ۴۰ جمع و ترتیب عبدالرشید انصاری طبع اول)'' (نور الصباح حصہ دوم ص ۲۴۱)

تجزیہ: یہاں بھی ڈیروی نے اپنی سابقہ روش برقرار رکھی کیونکہ استاذ محترم حفظہ اللہ اس عبارت سے براءت کا اعلان فرما چکے ہیں جو کہ چھپ کر لوگوں کے ہاں عام ہو چکا ہے۔

فضیلۃ الشیخ حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ لکھتے ہیں: ''سفیان ثوری کے بارے میں راجح یہی ہے کہ وہ مدلس ہیں اور ضعفاء وغیرہم سے تدلیس کرتے تھے، لہٰذا ان کی غیر صحیحین میں معنعن روایت، عدم متابعت و عدمِ تصریح سماع کی صورت میں ضعیف و مردود ہوتی ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا انھیں طبقہ ثانیہ میں شمار کرنا صحیح نہیں بلکہ وہ طبقہ ثالثہ کے فرد ہیں'' نیز شیخ صاحب لکھتے ہیں ''یاد رہے کہ عبدالرشید انصاری صاحب کے نام میرے ایک خط (۱۴۰۸/۸/۱۹ھ) میں سفیان ثوری کے بارے میں یہ لکھا گیا تھا کہ: ''طبقہ ثانیہ کا مدلس ہے جس کی تدلیس مضر نہیں ہے'' (جرابوں پر مسح ص ۴۰) میری یہ بات غلط ہے، میں اس سے رجوع کرتا ہوں، لہٰذا اسے منسوخ و کالعدم سمجھا جائے گا۔''

(ماہنامہ شہادت اسلام آباد، اپریل ۲۰۰۳ء، صفر ۱۴۲۴ھ ص ۳۹)

ڈیروی جی! آپ کو تو اپنی بات کا بھی پاس نہیں ''منسوخ و کالعدم'' کی تشہیر کو خیانت و تلبیس سمجھتے ہیں اور اسے خود کر بھی گزرتے ہیں۔ تلبیس کو گناہ جانتے ہیں لیکن خود اس گناہ کو بار بار کرتے ہیں۔ یہاں ڈیروی کا ہی انتخاب چسپاں کرنے کو مَن چاہ رہا ہے۔

''بے حیاء باش و ہر آنچہ خواہی کن''

ع　جس میں برہن کا گھر ڈوبا　اس ساون کو آگ لگا دو

ڈیروی نے تعارض نمبر ا: کے تحت لکھا ہے: "مولانا زبیر علیزئی صاحب تحریر کرتے ہیں مولانا سرفراز دیوبندی وغیرہم نے بھی محمد بن اسحاق کی توثیق کی ہے۔" نیز لکھا ہے: "اس بات کی تردید بہتر ہے کہ مولانا زبیر علیزئی صاحب کے قلم سے ملاحظہ فرمائی جائے۔ مولانا علیزئی صاحب لکھتے ہیں غرض جمہور علماء محمد بن اسحاق کو ثقہ کہتے ہیں مگر سرفراز اینڈ پارٹی برابر کذاب کی رٹ لگا رہے ہیں۔" (نور الصباح حصہ دوم ص ۲۴۷)

تجزیہ: اس عبارت سے ڈیروی صاحب یہ تاثر دینے کی کوشش کر رہے ہیں کہ یہ فضیلۃ الشیخ حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ کا تعارض ہے حالانکہ اس سے تو صاف سرفراز خان صفدر کا تعارض معلوم ہوتا ہے کہ ایک جگہ محمد بن اسحاق کی روایت سے استدلال کرتے ہیں۔ (دیکھئے تسکین الصدور ص ۳۴۰ وغیرہ) اور دوسرے مقام پر اسی محمد بن اسحاق کو کذاب و دجال قرار دیتے ہیں۔ (دیکھئے خزائن السنن حصہ اول ص ۶۱ واحسن الکلام ج ۲ ص ۸۴)

اب بتایئے تعارض کس کا ہے؟ ع دیدۂ کور کو کیا آئے نظر کیا دیکھے

ڈیروی نے لکھا ہے: "مولانا زبیر علیزئی صاحب لکھتے ہیں۔ **انما یفتری الکذب الذین لا یؤمنون بآیات اللہ و اولٰئك هم الکاذبون** (سورۃ نمل آیۃ ۱۰۵) جھوٹ تو وہ لوگ بناتے ہیں جن کو یقین نہیں اللہ کی باتوں پر اور وہی لوگ جھوٹے ہیں۔ (تعداد رکعات قیام رمضان ص ۳۶) اب مولانا حافظ زبیر نے یہ آیت سورۃ نمل ۱۰۵ سے پیش کی ہے جو بالکل جھوٹ ہے سورۃ نمل کی کل آیات ۹۳ ہیں تو اس سورۃ کی یہ آیت ۱۰۵ کیسے ہو سکتی ہے۔"

(نور الصباح حصہ دوم ص ۲۴۸)

تجزیہ: کمپوزنگ کی اس غلطی کو ڈیروی نے جھوٹ تصور کیا ہے۔ حالانکہ یہ صریحاً کمپوزنگ کی غلطی ہے جو النحل کے بجائے النمل لکھا گیا ہے، ہمارے پاس اس کی قلمی اصل موجود ہے، اس میں بھی النحل لکھا ہوا ہے۔ (ص ۱) دوسرے یہ کہ تعداد رکعات قیام رمضان کے اسی ایڈیشن میں صفحہ ۴۶ پر یہی آیت بحوالہ سورۃ النحل موجود ہے۔ تیسرے یہ کہ ترجمہ بحوالہ تفسیر عثمانی نقل کیا گیا ہے اور اسکا صفحہ بھی درج ہے جو کہ دلالت کرتا ہے کہ یہ سورۃ النحل ہی ہے،

جو کمپوزر کی غلطی سے سورۃ النمل لکھا گیا، چوتھے یہ کہ ڈیروی خود معترف ہے کہ '' لکھنے میں یا پڑھنے میں بھولے سے غلطی واقع ہو سکتی ہے۔ایسی غلطی تو بڑے بڑے حضرات سے بھی ہو جاتی ہے۔'' (نور الصباح حصہ دوم ص ۴۳) پانچویں یہ کہ اگر کمپوزنگ کی غلطی کو جھوٹ تصور کیا جائے تو شاید روئے زمین پر ڈیروی سے بڑا کذاب اور کوئی نہ ہو، اپنی اسی تازہ کتاب نور الصباح حصہ دوم کو ہی دیکھ لیں صفحہ ۳ پر لکھا ہوا ہے: '' رفع الیدین بن السجدتین'' صفحہ ۴ پر جابر بن سمرہ کے بجائے '' ثمرہ'' لکھا ہوا ہے۔ حالانکہ یہ کمپوزنگ ڈیروی نے (کمپوزر) کے ساتھ بیٹھ کر کرائی ہے۔ (دیکھئے نور الصباح حصہ دوم ص ۱۰) خود پاس بیٹھنے کے باوجود غلطیوں کا یہ عالم ہے اور دوسروں کو کمپوزنگ کی غلطی کی وجہ سے جھوٹا قرار دے رہے ہیں!!

ع جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

ڈیروی کی جہالتیں

ڈیروی نے اپنی کتاب (نور الصباح حصہ دوم ص ۴۹، ۵۰) میں تقریباً چار مرتبہ ابو العرب کو '' ابو الغرب'' لکھا ہے اور اپنی جہالت کی مزید وضاحت '' امام مغربیؒ (ابو الغرب)'' لکھ کر کی ہے۔ یہ ابو الغرب کیا ہے؟ یہ ایسا پردہ ہے جو علم کے ذریعے سے ہٹے گا اور ڈیروی کے ہاں علم کا فقدان ہے۔

یہی ڈیروی صاحب اپنی جہالت کا ثبوت دوسرے مقام پر اس انداز سے دیتے ہیں:
'' علامہ ذھبیؒ ترجمہ ھشام بن سعد میں فرماتے ہیں: **فالجمهور علی انه لا یحتج بهما** (میزان ص ۲۹۶ ج ۴)'' (توضیح الکلام پر ایک نظر ص ۲۹۱)

حالانکہ صحیح ہشام بن حسان ہے جسے ڈیروی نے ہشام بن سعد بنا دیا ہے۔ یہاں بھی مجھے ڈیروی کا انتخاب یاد آ رہا ہے۔

گل گئے گلشن گئے جنگل دھتورے رہ گئے اُڑ گئے دانا جہاں سے بے شعورے رہ گئے

اسے ڈیروی صاحب کی جہالت کہیں یا ڈیروی قاعدے کے مطابق جھوٹ دونوں صورتوں میں ڈیروی صاحب کی شخصیت پہچاننے میں مشکل نہ ہوگی۔

محرف کون؟

ڈیروی نے لکھا ہے:

''حافظ زبیر علیزئی صاحب تحریر کرتے ہیں **عقبة بن عامر الجهني يقول انه يكتب في كل اشارة يشيرها الرجل بيده في الصلوة بكل حسنة او درجة** (نور العینین ص ۱۴۵) یعنی حضرت عقبہ بن عامر نے فرمایا نماز میں جو شخص اشارہ کرتا ہے اسے ہر (مسنون) اشارہ کے بدلے ہر ایک انگلی پر ایک نیکی یا ایک درجہ ملتا ہے۔ یہ اثر طبرانی کبیر ج ۱۷ ص ۲۹۷ میں ہے۔ اس میں ایک لفظ علیزئی صاحب کھا گئے ہیں وہ تھا بکل کے بعد اصبعین'' (نور الصباح حصہ دوم ص ۲۵۰، ۲۵۱)

تجزیہ: ڈیروی صاحب کی مذکورہ عبارت کا تجزیہ درج ذیل ہے:

۱) نور العینین کے پہلے تین ایڈیشنوں میں لفظ ''اصبع'' کمپوزنگ کی غلطی سے رہ گیا تھا۔ ہمارے پاس نور العینین کی قلمی اصل موجود ہے۔ اس میں اصبع کا لفظ موجود ہے۔ والحمد للہ

نیز ترجمہ میں اصبع کا ترجمہ انگلی کیا گیا ہے۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ کمپوزنگ کی غلطی ہے۔ جو شخص کمپوزنگ کی غلطی کو تحریف یا جھوٹ قرار دے وہ احمق ترین ہے۔ اس سلسلے میں سابقہ صفحات پر کافی کچھ لکھا جا چکا ہے۔

۲) علاوہ ازیں نور العینین کے جدید ایڈیشن (ص ۱۸۲) میں اس کا ازالہ بھی کر دیا گیا ہے لیکن اس کے باوجود ڈیروی کا اسے تحریف ظاہر کرنا، اس کے اپنے قول کے مطابق خیانت و تلبیس ہے۔ ڈیروی صاحب نے اس کمپوزنگ کی غلطی کو تحریف بنا دیا ہے۔ لیکن اپنے دیوبندیوں کی تحریفات سے صرفِ نظر کر جاتے ہیں! جنھوں نے نہ قرآن مجید کا لحاظ رکھا اور نہ احادیث ہی کا، ڈیروی صاحب! سورۂ نساء کی آیت: ۵۹، مصنف ابن ابی شیبہ اور سنن ابی داود میں تحریف کرنے والے کون ہیں؟

ع ہمیں یاد ہے سب ذرا ذرا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

ڈیروی کی تحریف

ڈیروی نے لکھا ہے: ''اس میں ایک لفظ علیزئی صاحب کھا گئے ہیں وہ تھا بکل کے بعد اصبعین یعنی ہر دو انگلیوں کے اشارے پر ایک نیکی یا درجہ ملتا ہے۔ اب دو انگلیوں کا اشارہ کیسے ہوگا۔'' (نور الصباح حصہ دوم ص ۲۵۱)

تجزیہ: حدیث میں ''اصبع'' کا لفظ ہے۔ دیکھئے المعجم الکبیر (۲۹۷/۱۷) وغیرہ، لیکن ڈیروی نے اپنے مفاد کی خاطر لفظ اصبع کو ''اصبعین'' بنا دیا جو سراسر تحریف ہے اور پھر بڑی ڈھٹائی سے اس کا ترجمہ بھی ''یعنی ہر دو انگلیوں کے اشارے'' کیا ہے۔

ع ہم الزام ان کو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا

جب دلائل ساتھ نہ دے رہے ہوں تو پھر ڈیروی جیسے شخص اسی طرح کی حرکات سے اپنے عوام کو طفل تسلیاں دیتے ہیں! بلکہ پوری ملتِ دیوبندیہ اسی طریقہ پر کاربند ہے۔

ڈیروی صاحب اور ابن لہیعہ

ڈیروی صاحب لکھتے ہیں: ''اس کی سند میں عبداللہ بن لھیعہ ایک راوی ہے جو سخت ضعیف و مدلس و مختلط الحدیث ہے۔'' (نور الصباح حصہ دوم ص ۲۵۲)

ڈیروی صاحب نے ابن لہیعہ کو ''سخت ضعیف'' لکھا ہے، جس بنا پر بیچارے اپنوں کے ہی عتاب کی زد میں آ گئے چنانچہ سید مہدی حسن شاہجہانپوری دیوبندی ابن لہیعہ کی ایک روایت کے بارے میں لکھتے ہیں: ''پس طریق مذکور کو ضعیف کہنا ضعیفوں کا کام ہے۔''

(مجموعہ رسائل جلد اول ص ۳۲۳، نیز دیکھئے اعلاء السنن تصنیف ظفر احمد تھانوی دیوبندی ۴۴۵/۱، ۴۴۸)

یہ ہے ڈیروی دیوبندی پر شاہجہانپوری دیوبندی کا فتویٰ! یعنی شاہجہانپوری کے نزدیک ڈیروی صاحب ضعیف ہیں۔ ع گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

خلطِ مبحث اور ہٹ دھرمی

استاذ محترم حفظہ اللہ نے حدیثِ عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کے مفہوم کے تحت امام احمد بن حنبل اور

امام اسحاق بن راہویہ رحمہما اللہ کے اقوال نقل کئے تا کہ عوام پر واضح ہو جائے کہ ان ائمۂ کرام کے نزدیک بھی اس حدیث سے مراد رکوع کو جاتے اور اٹھتے وقت رفع الیدین ہے لیکن ڈیروی نے خلط مبحث سے کام لیتے ہوئے لکھا کہ ''امام احمد بن حنبلؒ و امام اسحاق بن راہویہؒ کی بے سند قول سے حضرت عقبہؓ کے اثر کو رفع الیدین عندالرکوع پر فٹ کرنا صحیح نہیں۔ کیونکہ ان دو اماموں و حضرت عقبہؓ کے درمیان سینکڑوں سالوں کا فاصلہ ہے۔''

(نور الصباح حصہ دوم ص ۲۵۴)

تجزیہ: حالانکہ یہ قول حدیث کی درایت (شرح) میں پیش کئے گئے ہیں نہ کہ روایت میں اور ان دونوں قولوں کی سندیں صحیح ہیں لیکن ڈیروی صاحب اپنے جھوٹ کو چھپانے کے لئے اپنی عادت سے مجبور اور ہٹ دھرمی کا شکار ہیں۔

مذکورہ عبارت کا فیصلہ ڈیروی کی ہی تحریر سے باآسانی ہوسکتا ہے۔ چنانچہ ڈیروی نے لکھا ہے: ''حافظ ابن حجرؒ حضرت عقبہؓ کے اثر کو تکبیر احرام کے وقت مانتے ہیں جبکہ یہ حضرات رفع الیدین عندالرکوع پر فٹ کررہے ہیں'' (نور الصباح حصہ دوم ص ۲۵۱)

جی ڈیروی صاحب! کیا حافظ ابن حجر کی ملاقات سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے؟ کیا آپ یہ قول متصل سند کے ساتھ بیان کررہے ہیں؟ کیا آپ کو اب ابن حجر اور سیدنا عقبہ رضی اللہ عنہ کے درمیان سینکڑوں سالوں کا فاصلہ نظر نہیں آیا؟　ع　بے حیاء باش وھر آنچہ خواہی کن

یاد رہے کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا حدیثِ عقبہ رضی اللہ عنہ کو مذکورہ باب کے تحت بیان کرنے سے فضیلتِ رفع الیدین مقصود ہے نہ کہ تکبیر احرام کے ساتھ تخصیص! کیونکہ خود حافظ ابن حجر نے اس روایت کو التلخیص الحبیر (۱/۲۲۰) میں رفع الیدین عندالرکوع و بعدہ کی بحث میں نقل کیا ہے۔

ڈیروی کی خیانت

ڈیروی نے لکھا ہے: ''علامہ ذھبیؒ کا رجوع: سیر اعلام النبلاء ج ۱۰ ص ۲۶۷ میں ایک روایت نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔ یعنی ان عارماً قال ھذا و قد زال عقلہ

کہ عارم نے یہ بات اس وقت کہی جب اس کا عقل زائل ہو گیا تھا۔'' (نور الصباح حصہ دوم ص ۲۶۰)

تجزیہ: مذکورہ عبارت میں ڈیروی نے بہت بڑی خیانت کا ارتکاب کیا ہے کیونکہ یہ عبارت علامہ ذہبی رحمہ اللہ کی ہے ہی نہیں لیکن ڈیروی نے اسے علامہ ذہبی کے ساتھ جوڑ دیا جو کہ بہت بڑی خیانت ہے۔

ڈیروی صاحب جس عبارت کو علامہ ذہبی کی عبارت قرار دے رہے ہیں وہ ابو عبید الآجری کی یا ابو داود سے منسوب ہے۔ دیکھئے تہذیب الکمال (۱۷/۱۵۵) اور سؤالات ابی عبید الآجری (قلمی ۴/الورقۃ ۱۱) نیز دیکھئے الجامع فی الجرح والتعدیل (۶۷/۳)

قارئین کرام: جو شخص خائن، ملبس اور محرف ہو اس کا دین میں کیا مقام ہوگا؟ اور اس کی تحریر کی کیا حیثیت ہوگی؟ اس کا فیصلہ اب آپ بہترین طریقے سے کر سکتے ہیں۔

ڈیروی جیسے حضرات جو اتنے صفحات سیاہ کر ڈالتے ہیں صرف اس لئے کہ عوام میں اپنی ''ڈانواڈول'' ساکھ کو بحال رکھ سکیں یا پھر ع بدنام نہ ہوں گے تو کیا نام نہ ہوگا
کے اصول پر عمل پیرا ہیں۔ **(اللھم اھد ھم)**

ڈیروی کا صحیح بخاری پر حملہ

ڈیروی نے لکھا ہے: ''ابو النعمان محمد ابن فضل السدوسی کی منکر روایات خود بخاری شریف میں موجود ہیں۔'' (نور الصباح حصہ دوم ص ۲۵۶)

ڈیروی صاحب قیل و قال کے ذریعے سے صحیح بخاری کی صحت کو مشکوک بنانا چاہتے ہیں۔ لیکن ڈیروی کے اس عمل نے ڈیروی کو ہی مشکوک بنا دیا ہے۔

ع دونوں عالم سے دل مضطر نے تجھ کو کھو دیا ہوگئی اس کی بدولت آبرو پانی تیری

آلِ دیو بند کے تسلیم شدہ بزرگ شاہ ولی اللہ دہلوی فرماتے ہیں: ''صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے بارے میں تمام محدثین متفق ہیں کہ ان میں تمام متصل اور مرفوع احادیث یقیناً صحیح ہیں۔ یہ دونوں کتابیں اپنے مصنفین تک بالتواتر پہنچتی ہیں۔ جو ان کی عظمت نہ کرے وہ بدعتی ہے جو مسلمانوں کی راہ کے خلاف چلتا ہے۔''

(حجۃ اللہ البالغہ عربی ۱/۱۳۷، اردو ۱/۲۴۲، ترجمہ: عبدالحق حقانی)

معلوم ہوا کہ ڈیروی شاہ ولی اللہ کے نزدیک بدعتی ہے اور مسلمانوں کی راہ کے خلاف چلتا ہے۔

اور تو اور ڈیروی نے تو اپنے استاد کا سر بھی شرم سے جھکا دیا ہے کیونکہ ان کے استاد سرفراز خان صفدر دیوبندی لکھتے ہیں: ''اور امت کا اس پر اجماع و اتفاق ہے۔ کہ بخاری و مسلم دونوں کی تمام روائتیں صحیح ہیں۔'' (حاشیہ احسن الکلام ۱/۱۸۷، دوسرا نسخہ ۱/۲۳۴)

اِدھر ڈیروی صاحب ہیں جو کہ اپنے استاذ سے بغاوت کرتے ہوئے صحیح بخاری کی احادیث کو منکر ثابت کرنے پر تُلے ہوئے ہیں۔ اس سلسلے میں مزید کچھ لکھنے کے بجائے صرف یہی کہوں گا کہ

آپ ہی اپنی اداؤں پر ذرا غور کریں ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

حافظ حبیب اللہ ڈیروی صاحب نے سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ والی روایت کو بھی بطورِ دلیل پیش کیا ہے بلکہ کتاب کے ٹائٹل پر بھی اسے نقل کیا ہے۔ علمی بحث سے قطع نظر ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ اس روایت کو بطورِ دلیل پیش کر کے ڈیروی صاحب نے اپنے آپ کو رسوا اور اپنے اکابر کی نظر میں مزید گرا دیا ہے۔ شاہ ولی اللہ دہلوی اور شاہجہانپوری کے فتوے کی زد میں تو پہلے ہی آچکے ہیں۔ اب مزید فتوے ملاحظہ کیجئے:

① محمود حسن دیوبندی فرماتے ہیں: ''باقی اَذْ ناب خَیل کی روایت سے جواب دینا بروئے انصاف درست نہیں کیونکہ وہ سلام کے بارہ میں ہے۔'' (الورد الشذی علی جامع الترمذی ص ۶۳)

② محمد تقی عثمانی دیوبندی فرماتے ہیں: ''لیکن انصاف کی بات یہ ہے کہ اس حدیث سے حنفیہ کا استدلال مشتبہ اور کمزور ہے۔'' (درس ترمذی ۲/۳۶)

ان تحریروں سے پتا چلتا ہے کہ محمود حسن دیوبندی اور تقی عثمانی کے نزدیک ڈیروی صاحب انصاف کے قریب بھی نہیں پھٹکے بلکہ پرلے درجے کے بے انصاف شخص ہیں۔

لطیفہ: ڈیروی نے سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ والی روایت کے سلسلے میں تقی عثمانی سے خط کتابت کی اور بہتیرے ڈورے ڈالنے کی کوشش کی کہ اپنے موقف سے رجوع کر لیں لیکن

تقی عثمانی نے جاہل ڈیروی کی تحریر کو قابلِ التفات ہی نہیں جانا، اور اپنے سابقہ موقف پر ڈٹے رہے۔ جس کا ڈیروی صاحب ان الفاظ میں اظہار کرتے ہیں: ''مگر مولانا محمد تقی عثمانی نے حسب وعدہ نہ رجوع فرمایا اور نہ اس خط کا جواب عنایت کیا۔'' (نور الصباح حصہ دوم ص ۳۲۸) بیچارہ ڈیروی اس کے سوا کیا کہہ سکتا ہے کہ

آنکھ پرنم ہے اور اس پہ جگر جلتا ہے کیا تماشا ہے کہ برسات میں گھر جلتا ہے

اکابر دیوبند کے بعد دیگر علمائے کرام کے فتوے بھی ملاحظہ کریں:

③ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''**ولا یحتج بھذا من لہ حظ من العلم**'' جس کے پاس علم میں سے تھوڑا سا حصہ بھی ہے تو وہ اس روایت سے (ترک رفع یدین پر) حجت نہیں پکڑتا۔ (جزء رفع الیدین: ۳۷)

④ علامہ نووی شارح صحیح مسلم نے فرمایا: اس حدیث سے رکوع کو جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین کے نہ کرنے پر استدلال کرنے والا جہالتِ قبیحہ کا مرتکب ہے اور بات یہ ہے کہ عند الرکوع رفع الیدین کرنا صحیح و ثابت ہے جس کا رد نہیں ہوسکتا۔

(المجموع شرح المہذب ۴۰۳/۳)

⑤ حافظ ابن الملقن نے فرمایا: اس حدیث سے (ترک رفع الیدین پر) استدلال انتہائی بُری جہالت ہے۔ (البدر المنیر ۴۸۵/۳)

معلوم ہوا کہ امام بخاری، علامہ نووی اور حافظ ابن الملقن تینوں کے نزدیک ڈیروی صاحب بے علم اور پرلے درجے کے جاہل ہیں۔

تنبیہ: ماہنامہ الحدیث: ۲۷ ص ۲۰ تا ۳۱ میں حبیب اللہ ڈیروی صاحب کے دس (۱۰) جھوٹ باحوالہ نقل کر کے قارئین کی عدالت میں پیش کئے جا چکے ہیں جن کا جواب ابھی تک ڈیروی پر قرض ہے۔

آخر میں عرض ہے کہ راقم الحروف نے ڈیروی صاحب کی اس تحریر پر سرسری نظر ڈالی ہے جس سے عوام کافی حد تک ڈیروی کو پہچان گئے ہوں گے۔ (إن شاء اللہ)

ابوالاسجد محمد صدیق رضا

غیر ثابت قصے

اکسٹھواں (٦١) قصہ: سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ایک قصہ:

سبکی نے شفاء السقام (کتاب) میں کہا: " **أنبأنا عبدالمؤمن بن خلف و علي بن محمد بن هارون وغيرهما قالوا: أنا القاضي أبو نصر بن هبة الله بن محمد بن سميل الشيرازي إذناً: أنا الحافظ أبو القاسم علي بن الحسن بن هبة الله بن عساكر الدمشقي قرأة عليه و أنا أسمع قال: أخبرنا أبو القاسم زاهر بن طاهر قال: أنا أبو سعيد محمد بن عبدالرحمٰن قال: أنا أبو أحمد محمد بن محمد: أنا أبو الحسن محمد بن الفيض الغساني بدمشق ، قال: حدثنا أبو إسحاق إبراهيم بن محمد بن سليمان بن بلال بن أبى الدرداء: حدثني أبي محمد بن سليمان عن أبيه سليمان بن بلال عن أم الدرداء عن أبى الدرداء....**

سیدنا ابو درداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بیت المقدس کی فتح کے بعد جب سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ وہاں تشریف لائے تو ''جالبیہ'' مقام پر ٹھہرے۔ بلال رضی اللہ عنہ نے ان سے شام میں رہنے کی درخواست کی، آپ نے انھیں اجازت دے دی... پھر سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ ان سے فرما رہے تھے: اے بلال! یہ کیسی بے رُخی ہے؟ کیا تمھارے لئے اب تک وہ وقت نہیں آیا کہ تم میری زیارت کرتے؟ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ غمگین و مضطرب حالت میں بیدار ہوئے اپنی سواری پر سوار ہوئے، رختِ سفر باندھا اور مدینہ منورہ کا ارادہ فرمایا (وہاں پہنچ کر) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر تشریف لائے اور وہاں رونے لگے، اپنا چہرہ اُس پر ملنے لگے۔ (کچھ دیر بعد) وہاں سیدنا حسن اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہما تشریف لائے تو بلال رضی اللہ عنہ اُن سے بغلگیر ہو کر انھیں چومنے لگے۔ حَسنین کریمین رضی اللہ عنہما نے اُن سے کہا: ہماری

خواہش ہے کہ ہم آپ سے وہ اذان سنیں جو آپ رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں مسجد میں کہا کرتے تھے۔

تو سیدنا بلال رضی اللہ عنہ مسجد کی چھت پر اُس جگہ آ کھڑے ہوئے جہاں آپ کھڑے ہوا کرتے تھے، جب آپ نے ''اللّٰہ أکبر ، اللّٰہ أکبر '' کہا تو مدینہ لرز اٹھا، جب ''أشھد أن لا إلٰہ إلا اللّٰہ'' کہا تو لرزاہٹ اور زیادہ ہوئی۔ پھر جب ''أشھد أن محمدًا رسول اللّٰہ'' کہا تو خواتین اپنی پردہ گاہوں سے باہر نکل آئیں۔ لوگوں نے کہا کیا رسول اللہ ﷺ (دوبارہ) مبعوث کئے گئے ہیں؟ مدینہ منورہ میں رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد اُس دن سے زیادہ رونے والوں اور رونے والیوں کو نہیں دیکھا گیا۔

تخریج: شفاء السقام (ص ۵۲) اور تحفۃ الزوار (ص ۶۷)

جرح: حافظ ابن عبدالہادی رحمہ اللہ نے یہ قصہ، سبکی کا اس کو جید قرار دینا اور اس قصے سے حجت پکڑنا ذکر کرنے کے بعد سبکی کا رد کرتے ہوئے فرمایا:

''سیدنا بلال رضی اللہ عنہ سے منسوب یہ قصہ اُن سے بسند صحیح ثابت نہیں ہے۔ اگر یہ اُن سے صحیح ثابت بھی ہوتا تو اس میں محل نزاع (یعنی زیارتِ قبرِ نبوی کے لئے سفر) کی کوئی دلیل نہیں معترض (یعنی سبکی) کا یہ کہنا کہ اس کی سند جید ہے اور یہ اس باب میں نص ہے، درست نہیں۔ یہ اثر امام حاکم ابو احمد... النیشاپوری نے اپنی کتاب ''فوائد'' کی پانچویں جلد میں ذکر کیا اور انھیں کی سند سے ابن عساکر نے سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کے حالات میں بیان کیا ہے۔ یہ اثر غریب و منکر ہے اس کی سند مجہول ہے اور اس میں انقطاع ہے۔ محمد بن الفیض الغسانی اس قصہ کو ابراہیم بن محمد بن سلیمان بن بلال عن أبیہ عن جدہ کی سند سے بیان کرنے میں منفرد ہے۔ پھر یہ ابراہیم بن محمد ثقاہت، امانت اور ضبط عدالت کے ساتھ معروف نہیں بلکہ یہ مجہول ہے، نقل میں معروف نہیں اور نہ روایت کرنے میں مشہور ہے۔ اس سے محمد بن الفیض الغسانی کے علاوہ کسی نے روایت نہیں کی۔ صرف اسی نے اس سے یہ منکر روایت بیان کی ہے۔ (الصارم المنکی ص ۳۱۴)

① حافظ ذہبی نے یہ قصہ ذکر کرنے کے بعد فرمایا: اس کی سند کمزور ہے اور یہ روایت منکر ہے۔ (سیر اعلام النبلاء ۱/۳۵۷-۳۵۸)

② حافظ ابن حجر نے اس قصہ کو بیان کرنے کے بعد فرمایا: ''یہ قصہ واضح طور پر من گھڑت ہے۔'' (لسان المیزان ۱/۱۰۷-۱۰۸)

③ شوکانی یمنی نے فرمایا: ''اس کی کوئی اصل نہیں۔'' (الفوائد المجموعہ ص۴۰)

④ ملا علی قاری (حنفی) نے اس کے موضوع ہونے کا حکم نقل کیا۔

(المصنوع فی معرفۃ الحدیث الموضوع ص ۳۹۵)

⑤ علامہ المعلمی نے الفوائد المجموعہ پر اپنی تعلیقات میں حافظ ابن حجر کا مذکورہ قول نقل کیا ہے۔ (ص۴۰ حاشیہ نمبر۱)

عرضِ مترجم: بہت سے لوگ یہ من گھڑت قصہ بیان کر کے محفل پر رنگ جمانے کی کوشش کرتے ہیں اور اس سے عجیب عجیب باتیں ثابت کرتے ہیں، مثلاً رسول نبی مکرم ﷺ اپنی وفات کے بعد امت کے احوال سے بخوبی آگاہ ہیں۔ آپ ﷺ سے اپنی امت کا حال پوشیدہ نہیں اور محبت کرنے والوں کو آپ ﷺ مدینہ منورہ بھی بلاتے ہیں، وغیرہ وغیرہ لیکن اس قصہ کی اصل حقیقت آپ کے سامنے ہے کہ یہ مستند ذرائع سے پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتا، جب یہ ثابت ہی نہیں تو اس سے استدلال کیسا؟

باسٹھواں (۶۲) قصہ: سعید بن المسیب پر گھڑا ہوا قصہ:

سلمہ نے کہا: **أخبرنا أبو العباس أحمد بن سعيد المعداني بمرء :ثنا محمد بن سعيد المروزي :حدثنا الترقفي :ثنا عبدالله بن عمرو الوراق :ثنا الحسن بن علي بن منصور :ثنا غياث البصري عن إبراهيم بن محمد الشافعي أن سعيد بن المسيب ......**

سعید بن المسیب مکہ کی بعض گلیوں سے گزرے تو الاخصر کو گاتے ہوئے سنا، وہ عاص بن وائل کے گھر گانا گا رہا تھا: وادیٔ نعمان میں زینب کے چلنے کی وجہ سے خوشبو پھیل گئی، دوسری

خوشبودار عورتوں میں جب زینب نے نمیری قافلہ دیکھا تو اس کی ملاقات کے خوف سے اعراض کرلیا اور عورتیں چھپ گئیں تو آپ نے کچھ دیر تک اپنا پیر زمین پر مارا (وجد طاری ہوا) اور کہا: اس کا سننا لطف دیتا ہے، لوگ سمجھتے تھے کہ یہ اشعار سعید بن المسیب کے ہیں۔

(الاربعین السلمیہ فی التصوف: نقلاً عن حاشیۃ کتاب: تخریج الاربعین السلمیہ للسخاوی ص ۱۷۴)

جرح: یہ قصہ سعید بن المسیب رحمہ اللہ سے ثابت نہیں ہے۔ حافظ ابن الجوزی نے کہا: اس کی سند مقطوع و مظلم ہے، ابن المسیب سے باسند صحیح ثابت نہیں اور نہ یہ ان کے اشعار ہیں۔ ایسی باتوں سے اُن کی شان بلند تھی۔ یہ اشعار محمد بن عبداللہ النمیری شاعر سے مشہور ہیں۔ (تلبیس ابلیس ص ۳۱۸)

سخاوی نے کہا: مجھے مؤلف پر تعجب ہے، کس طرح اُس نے اس منقطع قصہ پر انحصار کیا۔

(تخریج الاربعین السلمیہ ص ۱۴۸)

اس طرح آپ پر واضح ہوا کہ یہ جلیل القدر تابعی سعید بن المسیب رحمہ اللہ اس جھوٹ سے بری تھے اور یہ کہ آپ کا وقار، متانت اس قسم کے اشعار سے بہت بلند ہے۔

عرض مترجم: اس سے تصوف اور صوفیاء کا اپنے ''وجد'' و ''حال'' اور مست یا بدمست ہو جانے کا ثبوت پیش کرنا یقیناً ایک لغو عمل ہوگا۔ چونکہ یہ قصہ سعید بن المسیب رحمہ اللہ سے ثابت ہی نہیں کہ وہ محض ایک عشقیہ غزل پر تھرکنے لگے۔ اُن کے مقام و مرتبہ سے واقف لوگ تو اُن سے متعلق اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔

اعلان

قارئینِ کرام سے کئی مرتبہ گزارش کی گئی ہے کہ وہ جب بھی منی آرڈر کے ذریعے سے اپنی رقم بھیجیں یا ٹیلی فون کریں تو اپنے خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔ یہ بھی واضح رہے کہ بعض لوگ تا حال سالانہ فنڈ: 150 روپے بھیجتے ہیں حالانکہ الحدیث حضرو کا زرِ سالانہ محصول ڈاک کی وجہ سے 200 روپے ہے۔ یاد رہے کہ زرِ سالانہ ختم ہونے والے مہینے کے بعد مزید رسالہ نہیں بھیجا جاتا کیونکہ ہم دو دفعہ پیشگی اطلاع بھیج دیتے ہیں۔ [ادارہ ماہنامہ الحدیث حضرو۔ ضلع اٹک]

حافظ شیر محمد

سیدنا ابوطلحہ الانصاری رضی اللہ عنہ سے محبت

(۲)

انصارِ مدینہ میں ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کھجور کے باغات کی وجہ سے سب سے زیادہ مالدار تھے اوران باغات میں سے بیرحاء سب سے زیادہ پسند تھا جو کہ مسجد نبوی کے سامنے تھا۔ رسول اللہ ﷺ اس باغ میں داخل ہوتے اوراس کا میٹھا پانی پیا کرتے تھے۔

جب یہ آیت نازل ہوئی ﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۚ﴾
تم نیکی کواس وقت تک نہیں پا سکتے جب تک اپنی محبوب ترین چیز کو (اللہ کے راستے میں) خرچ نہ کردو۔ (ال عمران:۹۲)

(یہ سن کر) ابوطلحہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور کہا: میرا محبوب ترین مال بیرحاء کا باغ ہے اوراسے میں اللہ کے لئے صدقہ کررہا ہوں۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ یہ میرے لئے نیکی اور توشۂ آخرت ثابت ہو۔ یا رسول اللہ ! آپ جس طرح مناسب سمجھتے ہیں اسے استعمال کریں۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((**بخ، ذلك مال رابح، ذلك مال رابح .**)) إلخ واہ! یہ نفع بخش مال ہے، یہ نفع بخش مال ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ تم اسے اپنے قریبی رشتہ داروں میں صرف (خرچ) کرو۔ (دیکھئے صحیح بخاری:۱۴۶۱، وصحیح مسلم:۹۹۸)

ایک دفعہ سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے یہ آیت پڑھی ﴿**اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّ ثِقَالًا**﴾ نکلو (اللہ کے راستے میں) ہلکے ہو یا بوجھل۔ (التوبہ:۴۱)

تو انھوں نے فرمایا: میں سمجھتا ہوں کہ میرا رب یہ چاہتا ہے کہ ہم بوڑھے ہوں یا جوان، اس کے راستے میں نکلیں۔ میرے بچو! میرا زادِ سفر تیار کرو۔ آپ کے بیٹوں نے کہا: آپ نے رسول اللہ ﷺ، ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ مل کر جہاد کیا ہے اور (اب) ہم آپ کی طرف سے جہاد کرتے ہیں تو انھوں نے فرمایا: میرا زادِ سفر تیار کرو۔ پھر وہ بحری بیڑے میں (جہاد

کے لئے) سوار ہوئے اور سمندر میں فوت ہو گئے ۔ مجاہدین کو کوئی جزیرہ نہیں مل رہا تھا جہاں انھیں دفن کیا جائے لہٰذا میت (جہاز میں ہی) پڑی رہی ۔ سات دنوں کے بعد جب جزیرہ ملا تو انھیں وہاں دفن کیا گیا اور ان کا جسم (ذرہ برابر) خراب نہیں ہوا تھا ۔ (طبقات ابن سعد ۳/۷ ۵۰ وسندہ صحیح ، وصححہ الحاکم علی شرط مسلم ۳/۳۵۳ ح ۵۵۰۸ علی بن زید بن جدعان تابعہ ثابت البنانی)

سیدنا ابوطلحہ الانصاری رضی اللہ عنہ کے بارے میں حافظ ذہبی لکھتے ہیں: '' **صاحب رسول اللّٰه ﷺ ومن بني أخواله و أحد أعيان البدريين وأحد النقباء الإثني عشر ليلة العقبة .**)) آپ رسول اللہ ﷺ کے صحابی ، آپ کے ماموؤں کے قبیلے سے اور مشہور بدری صحابہ میں سے تھے ۔ عقبہ والی رات ان بارہ نقیبوں (مبلغین) میں سے تھے جنھیں ہجرت سے پہلے مدینہ طیبہ میں تبلیغ کے لئے مقرر کیا گیا تھا ۔ (سیر اعلام النبلاء ۲/۲۷)

آپ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں چونتیس ہجری (۳۴ھ) کو فوت ہوئے ۔ آپ نے بیس سے زیادہ حدیثیں بیان کی ہیں جن میں سے دو حدیثیں صحیحین (صحیح بخاری و صحیح مسلم) میں ہیں ۔ آپ کی بیان کردہ احادیث میں سے ایک حدیث درج ذیل ہے:

سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور آپ کے چہرے پر خوشی کے آثار تھے ۔ ہم نے پوچھا: ہم آپ کے چہرے پر خوشی کے آثار دیکھتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ((**إنّه أتاني الملك فقال :يا محمد !إن ربك يقول :أما يرضيك أنه لا يصلّي عليك أحد إلا صلّيت عليه عشرًا ولا يسلّم عليك أحد إلا سلّمت عليه عشرًا .**))

ایک فرشتے نے آکر مجھے بتایا کہ اے محمد! (ﷺ) آپ کا رب فرماتا ہے: کیا آپ اس پر خوش نہیں کہ اگر کوئی آدمی آپ پر (ایک مرتبہ) درود پڑھے تو میں اس پر دس رحمتیں نازل فرما دوں اور اگر کوئی شخص آپ پر (ایک مرتبہ) سلام پڑھے تو میں اس پر دس سلامتیاں نازل فرما دوں؟

(سنن النسائی ۳/۴۴ ح ۱۲۸۴ ، وسندہ حسن وصححہ ابن حبان / الموارد: ۲۳۹۱ والحاکم ۲/۴۲۰ ، ۴۲۱ ووافقہ الذہبی)

اے اللہ! ہمارے دل سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ اور تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کی محبت سے بھر دے ۔ (آمین)

کلمۃ الحدیث

حافظ ندیم ظہیر

کیا آپ روزے سے ہیں؟

اگر آپ روزے سے ہیں تو پھر ایک لمحے کے لئے اپنا جائزہ لیجئے کہ کیا آپ روزے کے تقاضے پورے کر رہے ہیں؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ آپ کا شمار ایسے لوگوں میں سے ہو رہا ہو جن کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کتنے ہی روزہ دار ایسے ہیں جنھیں پیاس کے علاوہ کچھ حاصل نہیں ہوتا اور کتنے ہی (رات کو) قیام کرنے والے ایسے ہیں جنھیں بیداری کے سوا کچھ نہیں ملتا۔ (سنن الدارمی: ۲۷۲۲ واسنادہ حسن)

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص جھوٹ بولنا اور اس پر عمل کرنا نہیں چھوڑتا تو اللہ کو اس کے بھوکا پیاسا رہنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ (صحیح بخاری: ۱۹۰۳)

کیا آپ چغلی، غیبت، جھوٹ اور بہتان جیسے گناہوں سے اپنے دامن کو بچا پائے ہیں؟ کیا آپ اپنی زندگی میں روزے کے اہم مقصد (تقویٰ شعاری اور پرہیزگاری) کے آثار محسوس کر رہے ہیں؟ اگر ان تمام باتوں کا جواب ہاں میں ہے تو ماہِ رمضان آپ کو مبارک ہو! اگر جواب نہیں میں ہے تو پھر اللہ کے حضور ہاتھ اُٹھایئے، گڑ گڑایئے اور ممکن ہو سکے تو آنکھوں سے آنسو بہایئے اور مانگئے:

اے اللہ! اتنی ہمت و استطاعت اور توفیق عطا فرما دے کہ روزے کے تقاضے پورے کر سکوں اور رمضان کی تمام تر فضیلتیں اپنے حق میں سمیٹ سکوں۔ (آمین)

اس دورانیے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان بھی ذہن نشین رہے کہ آپ نے فرمایا:

((و رغم أنف رجل دخل علیه رمضان ثم انسلخ قبل أن یغفر له .))

اور اس شخص کی ناک خاک آلود ہو جو رمضان کا مہینہ پائے لیکن بخشش سے محروم رہے۔

(سنن الترمذی: ۳۵۴۵ وسندہ حسن)

یہ مختصر سا محاسبہ چارٹ ہے کیونکہ جو لوگ اپنا تزکیہ و محاسبہ کرتے رہتے ہیں وہ دنیا و آخرت میں سرخرو رہتے ہیں۔ ﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا﴾

تذکرۃ الأعیان حافظ زبیر علی زئی

مولانا عبدالرحمٰن کیلانی رحمہ اللہ

نام ونسب: عبدالرحمٰن کیلانی بن مولوی نورالٰہی بن مولوی امام دین

ولادت: ۱۱ نومبر ۱۹۲۳ء بمطابق ۱ ربیع الآخر ۱۳۴۲ھ بروز اتوار بمقام حضرت کیلیانوالہ، گوجرانوالہ

اساتذہ: مولانا محمد اسماعیل سلفی، عبدالغفار کیلانی، محمد حسین، محمد صدیق الیاس رقم وغیرہم

تصانیف: تفسیر بنام تیسیر القرآن، مترادفات القرآن، آئینۂ پرویزیت، شریعت وطریقت، قرآن فہمی کے اسباب اوران کا حل، خلافت وجمہوریت، روح، عذاب قبر اور سماع موتیٰ، عقل پرستی اور انکار معجزات، سرگزشت نورستان، اسلام میں فاضلہ دولت کا مقام، احکامِ ستر وحجاب، تجارت اور لین دین کے مسائل واحکام، الشّمس والقمر بحسبان اور طویل سلسلۂ مضامین۔

دیگر علمی خدمات: مدرسہ تدریس القرآن والحدیث للبنات کا اجراء اور کتابت وغیرہ

تلامذہ: مولانا عبدالسلام مدنی کیلانی اور تمام وہ لوگ جنھوں نے آپ کی کتابوں سے استفادہ کیا ہے۔

علمی مقام: حافظ صلاح الدین یوسف فرماتے ہیں: "مولانا عبدالرحمٰن کیلانی ..... جماعت اہلِ حدیث کے ان علماء میں سے ایک ممتاز عالم اور صاحبِ قلم بزرگ تھے جنھوں نے نام ونمود کی خواہش کے بغیر نہایت خاموشی سے ٹھوس دینی اور علمی خدمات سرانجام دیں۔" (ماہنامہ مطلع الفجر کا عبدالرحمٰن کیلانی نمبر ص ۵)

راقم الحروف نے سب علماء کو آپ کی تعریف وتوثیق پر متفق پایا ہے۔ میری آپ سے کئی ملاقاتیں آپ کے گھر اور مکتبہ دارالسلام لاہور میں ہوئیں۔ انتہائی نیک، صالح اور ثقہ علماء میں سے تھے اور آپ کے چہرے پر صالحین کا نور تھا۔ صلہ رحمی اور خوش اخلاقی آپ کا شعار تھا۔ رحمہ اللہ

اولاد: ڈاکٹر حبیب الرحمٰن کیلانی، ڈاکٹر شفیق الرحمٰن کیلانی، نجیب الرحمٰن کیلانی، عتیق الرحمٰن کیلانی اور چار بیٹیاں۔ آپ کے تقریباً ۵۶ نواسے نواسیوں اور پوتے پوتیوں میں سے تقریباً ۳۶ کو حفظِ قرآن کی سعادت حاصل ہے۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ

وفات: ۱۸ دسمبر ۱۹۹۵ء بمطابق ۲۵ رجب ۱۴۱۶ھ کو عین سجدے کی حالت میں ہوئی۔